ھو الرشید
جامعہ رشیدیہ ساہیوال کا تعلیمی تبلیغی ترجمان
القاسم
پندرھویں صدی ہجری کا اولین عدد خاص
دار الحدیث، دار التفسیر
جامعہ رشیدیہ
از شعبہ تبلیغ ادارہ جامعہ رشیدیہ رجسٹرڈ ساہیوال

اِنّما انا قاسم واللہ یُعطی

فضلاء دار العلوم وابناء دیوبند کا ترجمان

القاسم

یکے از مطبوعات: انجمن رشیدیہ (رجسٹرڈ) ساہیوال فون ۲۳۵۶

مندرجات	صاحب مضمون
جنگل اداس ہے!	مجیب الرحمان شامی
ہند میں دین کا گہوارہ	مولانا عبد الرشید نعمانی
جنگ یرموک	"مجاہد"
پندرھویں صدی کا پیغام	"معارف"
نیلسوئے	"ادارہ"
حرم رسوا ہوا	فاران (لندن)
تنقیدات	ظفر ندوی
رسول وحدت	علامہ سید سلیمان ندوی

سالانہ زر اعانت ادارہ الرشید صرف ۱۵ پندرہ روپے محض برائے تبلیغی فنڈ جامعہ رشیدیہ

جملہ خط و کتابت بنام ناظم و مدیر جامعہ رشیدیہ رجسٹرڈ ساہیوال

پرنٹر:- قاضی محمد اسمٰعیل کنول آرٹ پریس انار کلی لاہور

مولانا مفتی محمودؒ بھی اپنے اللہ سے جا ملے، اور اس شان سے جا ملے کہ اللہ ہی کے گھر میں اللہ ہی کے ذکر میں مشغول تھے کہ موت آئی کہ دوست کا پیغام آگیا ــــ دل نے مزید دھڑکنے سے انکار کر دیا، آخری بار جو دھڑکا اللہ ہی کے نام پر دھڑکا ــــ اور سچ پوچھئے تو اس دل کی آن بان ہی یہ رہی کہ عمر بھر اللہ ہی کے لئے دھڑکا، اللہ ہی کے راستہ پر چلنے کی تمنا میں جوان رہا۔ اس دنیا کی کسی شے میں خود کو نہ اٹکایا، خود کو نہ لگایا۔ یہ دل عجب دھج سے زندہ رہا، اور اب جب یہ خاموش ہوا ہے تو اس کی گونج ایک دنیا میں پھیلی ہوئی ہے، ایک دنیا میں سنی جا سکتی ہے ــــ اس کے چرچے ایک دنیا کی زبان پر ہیں، اس کی یادیں ایک دنیا کے سینوں میں ہیں ــــ اس کے لئے ایک دنیا تڑپ رہی ہے، ایک دنیا رو رہی ہے ایک دنیا غم زدہ ہے، ایک دنیا کی دنیا لٹ گئی ہے ــــ اور ایک دنیا کے ہونٹوں پر دعائیں ہیں، ہاتھ مغفرت کے لئے اٹھ گئے ہیں۔

مولانا مفتی محمودؒ خالص "مولوی" تھے، دینی درسگاہوں میں پڑھے، بڑھے اور جوان ہوئے۔ چالیس سال پہلے سیاست کی وادی میں قدم رکھا اور برصغیر کو آزاد کرانے کے لئے جدوجہد شروع کر دی۔ قیام پاکستان کے بعد جمعیۃ علماء اسلام سے اس طرح وابستہ ہوئے کہ بالآخر نظامت اعلیٰ نے ان کے قدم چومے۔ ایوب خاں مرحوم کے زمانہ میں انہوں نے قومی اسمبلی کا انتخاب لڑا اور ۶۲ء میں قومی سطح پر نمایاں ہوئے ــــ پھر یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ یہ "مولوی" مسٹروں پر چھاتا، اور اپنا آپ منواتا چلا گیا ــــ معاملہ سازی اور سیاسی اقدامات کی دھاک بیٹھتی چلی گئی، تا آنکہ ۷۰ء کے انتخابات میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو ڈیرہ اسمٰعیل خاں سے ہرایا ــــ اس کے بعد تو مسٹر بھٹو کی سیاست سے ان کا بار بار پالا پڑا، اور بار بار اُسے شکست دیتے رہے۔

مولانا مفتی محمودؒ کی اپنی اور ان کی جماعت کی حیثیت اسقدر مستحکم اور اس قدر فیصلہ کن تھی کہ ۷۰ء کے انتخابات کے دوران تشکیل پانیوالی سرحد اسمبلی میں کالعدم نیپ اور کالعدم قیوم لیگ میں سے کسی کے لئے بھی ممکن نہ رہا کہ مفتی صاحب کی حمایت اور تعاون کے بغیر وزارت سازی کا خواب بھی دیکھ سکے۔ مفتی صاحب نے اپنی شرائط دونوں گروہوں کے سامنے

رکھ دیں۔ مسٹر عبدالولی خان [illegible] کی جماعت نے انہیں قبول کرلیا اور مفتی صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے انہیں متحدہ پارلیمانی پارٹی کا لیڈر منتخب کرلیا ——— سیکولر نیپ نے اسلامی نظام نافذ کرنے کا عہد کیا اور مفتی صاحبؒ کی وزارت کا دور شروع ہوا۔

وزارت کے دوران مفتی صاحبؒ تھے اور سادگی تھی، استغنا تھا، فقر تھا، درویشی تھی ——— امیری میں فقیری اور فقیری میں امیری کی یہ تصویر تاریخ کے صفحات پر نقش ہوچکی، اسے کوئی نہ تو مٹائے مٹا سکتا ہے، نہ چھپائے چھپا سکتا ہے مفتی صاحبؒ نے صوبہ سرحد میں شراب بند کی، اُردو کو سرکاری زبان کی حیثیت سے رائج کیا اور ان گنت ایسے اقدامات کئے کہ جن سے پاکستان کے مقاصد کی تکمیل کے راستے کھلتے تھے۔

مسٹر بھٹو نے بلوچستان میں نیپ اور جمعیّت کی حکومت کو غیر قانونی طور پر برطرف کر ڈالا، تو مفتی صاحب نے احتجاج کرتے ہوئے اپنی وزارت کا استعفےٰ پیش کر دیا ——— اور لوگوں نے دیکھا کہ جب بڑے بڑے دانشمند اور بڑی بڑی غیر ملکی جامعات کے پرورش شدہ، اقتدار کے دروازوں پر کھڑے ہوکر دُم ہلانے ہی کو سب کچھ تصوّر کر بیٹھے تھے، مدرسے کے ایک مولوی نے اقتدار کو اسطرح دھتکار دیا جیسے لوگ کوئی پلید جانور کو اپنے دروازوں سے دُور بھگا دیتے ہیں۔

مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک عرصے سے ذیابیطس کے مریض تھے لیکن وہ مرض کے سامنے کبھی جھک کر نہ رہے سارے طبّی مشوروں اور ساری احتیاطوں کو ایک طرف رکھ کر صرف اور صرف اپنے مقاصد اور اپنے آدرش کی آواز سُنی، اور اس کے لئے دیوانہ وار جدّوجہد کرتے رہے۔

مفتی صاحبؒ ملکی سطح پر آگے بڑھتے گئے اور لوگوں کے دلوں کو مسخّر کرتے رہے حتّٰی کہ جب مسٹر بھٹّو کے خلاف نو جماعتوں کے محاذ، پاکستان قومی اتحّاد کی تشکیل ہوئی تو قیادت کا تاج رکھنے کے لئے ان سے بہتر کوئی سر نہ مل سکا۔

مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی استقامت کے حوالے سے اس طرح سربلند ہوئے کہ ان کے آبائی صوبہ سرحد میں انہیں "زرملا"، کہہ کر ان کے لئے زندہ باد کے نعرے لگائے جاتے ——— وہ تھے بھی "زرملا" ہی۔ انھوں نے آزادی، جمہوریت، اور اسلامی اقدار کے ساتھ برسوں پہلے جو ناطہ جوڑا تھا۔ آخر دم تک اِس کے لئے زندہ رہے۔

وہ آزادی کے مجاہد تھے، آزادی کے لئے زندہ رہے، آزادی کے لئے لڑتے رہے ——— اُس مردِ آزاد کی وفات پر آج ہم اپنے آپ سے تعزیت کرتے ہیں، اُن کے اہلِ خانہ سے تعزیت کرتے ہیں، اہلِ پاکستان سے تعزیت کرتے ہیں اور جذبۂ آزادی سے تعزیت کرتے ہیں کہ ——— مجنوں، جو مرگیا ہے، تو جنگل اُداس ہے !!!

وَمَا كَانَ مَوتُ قَيسٍ هَلكُ وَاحِدٍ

وَلٰكِنَّهُ بُنْيَانُ قَومٍ تَهَدَّمَا

دارالعلوم دیوبند

مولانا عبدالرشید نعمانی
استاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ کراچی
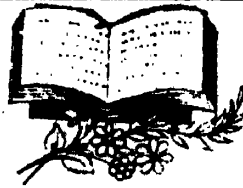
ہند میں دینِ حنیفی و مذہبِ حنفی کا گہوارہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؛ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ، اَمَّا بَعْدُ

ہندوستان جنت نشان اس کرۂ ارض کا وہ خطہ ہے جہاں سب سے پہلے افرادِ انسانی کے ابوالآباء حضرت آدم علیہ السلام کا ہبوط واقع ہوا۔ چنانچہ یہ مضمون کتب احادیث کی متعدد روایات سے ثابت ہے۔ حسان الہند علامہ غلام علی آزاد بلگرامی المتوفی ۱۲۰۰ھ نے اپنی گرانقدر تصنیف "سبحۃ المرجان فی آثارِ ہندوستان" کی فصل اوّل میں اس سلسلہ کی تمام روایات کو جمع کر دیا ہے۔ اس بنا پر عالمِ انسانیت میں تعلیم ربّانی کا آغاز اسی سرزمین سے ہوا ہے لیکن یہ عالم انسانیت کا عہدِ طفولیت تھا۔ پھر جب یہ سرزمین دیگر آدمیوں سے آباد ہونے لگی تو اُن کی اصلاح و تعلیم کے لئے وقتاً فوقتاً خُدا کے برگزیدہ بندے آتے رہے اور ان کو راہِ حق دکھلاتے رہے۔ چنانچہ قرآن عظیم کی تصریح ہے : وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۔ (الفاطر: ۲۴)

یعنی ، "اور کوئی فرقہ نہیں جس میں کوئی ڈر سنانے والا نہ گذرا ہو"

یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا۔ اور کچھ ہند ہی کی خصوصیت نہیں، بلکہ جہاں بھی عالمِ انسانیت نے جنم لیا، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہادی اور نذیر وہاں برابر آتے رہے اور بنی نوع انسان کو دینِ حق کی طرف بلاتے اور اس کی تعلیم دیتے رہے۔ تاہم تعلیم و تعلّم اور دعوتِ حق کا یہ سلسلہ مقامی، وقتی اور نسلی تھا، کیونکہ عالمِ انسانیت ابھی عہدِ طفلی سے عہدِ شباب کی طرف گامزن تھا اور دُنیا مختلف نسلوں گروہوں اور جغرافیائی حد بندیوں میں بٹی ہوئی تھی۔ پھر جب عالمِ انسانیت نے شباب کی منزل میں قدم رکھا اور جب اس کے قوائے علمی و عملی میں نکھار آنا شروع ہوئی اور ایسا وقت آگیا کہ اب وہ اُمت واحدہ بن کر تکمیلِ دین اور اتمامِ نعمتِ الٰہی کی دولت سے مشرف ہو تو حق تعالیٰ نے حضرت خاتم الانبیاء محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر عالمِ انسانیت کی روحانی ضروریات کو جس کا وہ زبانِ حال سے ملتجی تھا پورا فرمایا اور یہ اعلان کر دیا کہ :

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۔ (المائدہ)

ترجمہ: "آج میں تمہارے لئے تمہارا دین پورا کرچکا اور تم پر اپنی نعمت کو میں نے پورا کردیا اور تمہارے واسطے میں نے دینِ اسلام کو پسند کیا"۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے بھی انبیاء اور رسل آئے وہ خاص خاص قوموں اور قبیلوں اور خاص خاص مقامات کی طرف بھیجے گئے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت روئے زمین کے تمام انسانوں کی طرف ہوئی۔ اس میں کالے گورے سُرخ سفید اور زرد کی کوئی تخصیص نہیں، اس لئے رومی، شامی، فرنگی، حبشی، ترک، تاتار، تاجیک دیلم، چینی، جاپانی، ہندی، افغانی غرض تمام عرب و عجم اور ہر قوم و جنس کے لوگ آپ کے برابر کے حقدار ہیں۔

ارشادِ ربّانی ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (السبا: ۲۸)

ترجمہ: "اور ہم نے آپ کو تمام ہی انسانوں کے لئے بھیجا ہے"۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعَا (الاعراف ۱۵۸)

ترجمہ: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا پیامبر ہوں"۔

صحیحین میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "مجھ سے پہلے جو نبی بھیجا جاتا تھا وہ خاص اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں تمام دنیا کی طرف بھیجا گیا ہوں"۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، کتاب المساجد)

اس معنی کی روایتیں کتبِ حدیث میں بکثرت وارد ہیں اور اس کی عملی دلیل مطلوب ہو تو سارے پیغمبروں کے حالات پڑھ جائیے، سب کے ماننے والوں کو ان کی زندگی میں آپ اسی ملک اور قوم میں محدود پائیں گے جس ملک اور قوم کی طرف ان کی بعثت ہوئی تھی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں میں خود آپ ہی کی حیاتِ طیبہ میں ہم کو بلالِ حبشیؓ، صہیب رومیؓ اور سلمان فارسیؓ کے بھی نام ملیں گے اور شاہانِ عالم کے نام جو آپ نے دینِ اسلام کے دعوت نامے روانہ فرمائے تھے وہ بھی عمومِ دعوت کی ایک بڑی بھاری عملی دلیل ہے۔

؎ بہار عالم حسنش جہاں را تازہ می دارد برنگ اصحابِ صورت را بہ بُو اربابِ معنی را

اس بناء پر دینِ اسلام وہ ابرِ رحمت تھا جو اس دُنیا کے چپہ چپہ پر برسا مگر فیض ہر ایک نے بقدرِ استعداد اُٹھایا۔

؎ باران کہ در لطافت طبعش خلاف نیست در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

ہمارے ہندوستان کی قسمت میں بھی اس بارانِ رحمت سے فیض اٹھانا مقدر تھا۔ غازیانِ ہند کو فتحِ ہند سے کئی صدی پہلے یہ بشارت دی جا چکی تھی۔

"عصابتان من امتی احرزهما الله من النار، عصابة تغزو الهند، وعصابة تكون مع عيسى بن مريم"

"میری اُمّت کے دو گروہ ایسے ہیں جن کو حق تعالیٰ نے آتشِ دوزخ سے بچا لیا ہے، ایک وہ جو ہندوستان کے غزوہ میں شریک ہوگا اور دوسرا وہ جو حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے ساتھ ہوگا"۔

اس روایت کو امام احمدؒ نے اپنی مسند میں اور نسائیؒ نے اپنی سنن میں اور حافظ ضیاء مقدسی نے المختارہ میں نیز طبرانی نے بسند جیّد حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:

وعدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوة الهند فان استشهدت کنت من خیر الشهداء وان رجعت فانا ابوهریرة المحرر۔	"ہم سے (یعنی مسلمانوں سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندوستان کے غزوہ کے بارے میں وعدہ فرمایا ہے تو اگر میں اس میں شہید ہو گیا تو بہترین شہیدوں میں ہوں گا۔ اور اگر صحیح وسلامت واپس آ گیا تو (دوزخ سے) آزاد ابوہریرہ ہوں گا۔"
(مسند امام احمد بن حنبل، ج ۲، ص ۲۲۹)	

اور سنن نسائی میں اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

وعدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی غزوة الهند فان ادرکتها انفق فیها نفسی ومالی، فان اقتل کنت من افضل الشهداء فان ارجع فانا ابوهریرة المحرر۔"	"ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ ہند کا وعدہ فرمایا ہے، سو اگر مجھے اس غزوہ میں شرکت کا زمانہ آیا تو میں اس میں جان ومال قربان کر دوں گا پھر اگر میں اس میں شہید ہو گیا تو افضل شہیدوں میں ہوں گا اور اگر زندہ واپس لوٹ آیا تو میں دوزخ سے آزاد ابوہریرہ ہوں گا۔"
(کتاب الجہاد)	

واضح رہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وعدہ عام اُمت محمدیہ سے تھا، خاص افراد سے نہ تھا اس لئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو تردد تھا کہ خدا جانے مجھے اس غزوۂ ہند میں شرکت کی سعادت نصیب ہو یا نہ ہو۔

غور فرمائیے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ کی مسند میں موجود ہے جو سلطان محمود غزنویؒ کے غزوہ ہند ۳۹۲ھ سے تقریباً دو سو پونے دو سو سال پہلے کی تصنیف ہے۔ مسند احمد ہی کی ایک دوسری روایت میں جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے ہند کے ساتھ سندھ کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ یہ روایت حسب ذیل ہے:

حدثنا یحییٰ بن اسحٰق حدثنا البراء عن الحسن عن ابی هریرة قال حدثنی خلیلی الصادق رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم انه قال یکون فی هذه الامة بعث الی السند والهند فان ادرکته فاستشهدت فذالک	"ہم سے یحییٰ بن اسحٰق نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے براء نے حسن بصری کی روایت سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بیان کی کہ مجھ سے میرے محبوب صادق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اس امت میں سندھ اور ہند کی طرف لشکر کشی ہوگی سو اگر میں نے وہ زمانہ پایا اور شہید ہو گیا تو مراد بر آئی

وإن أنا فذكر كلمة رجعت وأنا أبو هريرة المحرر قد أعتقني من النار" (ج۲ ص ۳۲۹)

اور اگر اللہ نے مجھے بچا لیا اور میں کسی جنگ میں زندہ لوٹ آیا تو اس حال میں لوٹوں گا کہ میں آزاد ابوہریرہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے دوزخ سے آزاد فرمایا ہوگا۔

حافظ ابن کثیر "البدایہ والنہایہ" میں اس حدیث کو نقل کرکے فرماتے ہیں تفرد به[1] احمد یعنی اس حدیث کے راوی صرف امام احمد ہیں مگر یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں، امام صاحب کی تو بڑی شان ہے کسی ثقہ کا تفرد بھی قادح صحت نہیں۔ البتہ یہ بتانا ضروری ہے کہ اس روایت کا ایک راوی براء بن عبداللہ بن یزید الغنوی البصری القاضی جو امام حسن بصری سے اس روایت کو نقل کرتا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس کو ضعیف لکھا ہے[2] مگر ائمہ جرح و تعدیل کی تصریحات جو اس کے بارے میں ہیں ان پر نظر کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ زیادہ ضعیف نہیں ہے۔ چنانچہ ابن عدی کہتے ہیں کہ:

هو عندي أقرب إلى الصدق منه إلى الضعف

یعنی: میرے نزدیک یہ ضعف کی بجائے صدق کے زیادہ قریب ہے۔"

اور امام بزار فرماتے ہیں کہ: ليس بالقوي وقد احتمل حديثه گو یہ قوی نہیں تاہم اس کی روایت قابل برداشت ہے۔ اور ایک بار امام موصوف نے اس کے بارے میں یہ بھی کہا کہ: ليس به بأس یعنی اس میں کوئی خرابی نہیں اور بعینہٖ یہی الفاظ امام ابوداؤد سجستانی سے بھی اس کے بارے میں منقول ہیں[3] غالباً اسی لئے حافظ ابن کثیر نے براء کے بارے میں کچھ اظہار خیال نہ فرمایا تاہم اس کے ضعف کی بنا پر شاید کسی کو یہ خیال آئے کہ روایت میں "سند" کا اضافہ حافظہ کا نتیجہ ہوگا لیکن واقعات اس پیشین گوئی کی بھی صحت کے شاہد ہیں، بلکہ سندھ پر تو ہند سے بھی پہلے لشکر اسلام کا حملہ ہوا تھا۔ بہر حال غزوہ ہند کی پیشین گوئی باسانید صحیح حضرت ثوبانؓ و حضرت ابوہریرہؓ دونوں کی روایات سے ثابت ہے اور غزوہ سندھ کی پیشین گوئی بسند ضعیف حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے لیکن روایت کا ضعف اتنا شدید نہیں ہے کہ جس کی بنا پر اسکو سرے سے نظر انداز کر دیا جائے، بلکہ حافظ جلال الدین سیوطی نے تو جمع الجوامع کے دیباچہ میں یہاں تک تصریح کر دی ہے کہ:

وكل ما كان في مسند احمد فهو مقبول فان الضعيف الذي فيه يقرب من الحسن[4]

یعنی: اور ہر وہ روایت جو مسند احمد میں ہے مقبول ہے کیونکہ اس میں جو ضعیف روایت بھی ہے وہ حسن کے قریب قریب ہے

---

[1] ج ۶، ص: ۲۲۳ طبع ۱۹۶۶ء شائع کردہ "دار المعارف" بیروت۔ [2] تقریب التہذیب

[3] تقریب التہذیب میں اس کا تذکرہ پڑھئے۔

[4] ملاحظہ ہو: "کنز العمال" ج ۱، ص: ۳، طبع دائرۃ المعارف

صادق و مصدوق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے جو کچھ نکلا تھا وہ آخر پورا ہو کر رہا۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں ۹۲ھ میں محمد بن قاسم ثقفی کی سرکردگی میں اسلامی فوج سندھ پر حملہ آور ہوئی اور ۹۵ھ میں اسلامی فتوحات کا سیلاب سندھ کے تمام حدود کو پار کر گیا جس کے نتیجہ میں سندھ کا تمام علاقہ اسلامی قلمرو میں داخل ہو گیا اور ایک عرصہ تک سندھ میں اموی اور عباسی خلفاء کی طرف سے والی مقرر ہو کر آتے رہے۔ پھر چوتھی صدی کے اواخر میں سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان کا رُخ کیا اور سومنات کے بُت کو تاراج کر کے دم لیا۔ اب غزنین سے لاہور تک اسلامی رواج تھا۔ محمود غزنوی کی وفات کے بعد اُن کی اولاد تقریباً دو سو سال تک غزنین سے لاہور تک حاکم و متصرف رہی، غزنوی ہی کے دورِ حکومت میں ہمارے پاکستان کے مشہور بزرگ اور ولی اللہ حضرت علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۴۶۵ھ اپنے قدوم میمنت لزوم سے لاہور کو نوازا۔ حضرت ممدوح نے اپنی مشہور تصنیف "کشف المحجوب" میں جس کا شمار تصوف کی اعلیٰ ترین کتابوں میں ہوتا ہے اس سرزمین کے بارے میں اپنا جو رویائے صادقہ بیان کیا ہے وہ پڑھنے کے لائق ہے، فرماتے ہیں:

"و من کہ علی بن عثمان الجلابی ام وفقنی اللہ بدمشق شام بودم بر سرگور مؤذن رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خفتہ، خود را بمکہ دیدم اندر خواب کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم از باب بنی شیبہ اندر آمدہ پیرے را در بر گرفتہ، چنانکہ اطفال را در بر گیرند بشفقتے من پیش دویدم، بر دست و پایش بوسہ دادم و در تعجب بودم کہ آں کیست و آں حالت چیست! وے بر باطن و اندیشہ من مشرف شد، مرا گفت ایں امام تو و اہلِ دیار تست یعنی ابوحنیفہ۔ مرا بہ ایں خواب امید بزرگ ست و با اہل دیار خود ہم و درست گشت از یں خواب مرا کہ وے یکے از آنان بود است کہ از اوصاف طبع فانی بودند و با حکام شرح باقی و بدان قائم، چنانکہ برندوے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بودہ است و اگر وے خود رفتے باقی الصفت بودے و باقی الصفت

"میں کہ علی بن عثمان جلابی ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے توفیقِ خیر دے شام کے شہر دمشق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی قبر کے سرہانے سو رہا تھا خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ مکہ معظمہ میں ہوں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے ایک پیر مرد کو اپنی گود میں لئے اس حال میں اندر تشریف لا رہے ہیں کہ جس طرح بچوں کو پیار سے گود میں اٹھاتے ہیں، میں دوڑ کر حاضرِ خدمت ہوا اور آپ کے ہاتھ پاؤں کو بوسے دینے لگا اور تعجب میں تھا کہ یہ کون صاحب ہیں اور یہ کیا حالت ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اندرونی اندیشہ کو دریافت کر لیا اور مجھ سے فرمایا یہ ابوحنیفہ ہیں جو تمہارے بھی امام ہیں اور تمہارے اہلِ ملک کے بھی۔ مجھے اس خواب سے اپنے بارے میں بڑی اُمید ہے اور اپنے اہل دیار کے بارے میں بھی، اور مجھے اس خواب سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ امام اعظم ان حضرات میں سے ہیں جو اپنے اوصافِ طبع کے لحاظ فانی اور احکام شرع کے لحاظ سے باقی ہیں اور ان ہی لے

"فانی بود یا معیب چمل بر نده ے پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم بود فانی الصفت باشد ببقائے صونت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم و چمل بر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خطا صورت نگیرد بر آنکہ بدو قائم بود ۔ نیز صورت نگیرد واین رمز لطیف است"!

کشف المحجوب ، ص: ۱۳۱ ، طبع سمرقند ۱۳۴۲ھ
ص: ۸۶ ، طبع لاہور ۱۳۹۶ھ

ذریعہ قائم ہیں چنانچہ ان کو لیکر چلنے والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اگر وہ اپنے آپ چلتے ہوتے تو باقی الصفت ہوتے اور باقی الصفت غلط فیصلہ بھی کر سکتا ہے اور صحیح بھی اور اب جبکہ انکو اٹھا کر چلنے والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے تو وہ آپ کی بقاء صفت کی وجہ سے فانی الصفت ٹھہرے اور چونکہ پیغمبر پر خطاء کی کوئی صورت نہیں اس لئے جس کا قیام پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے وابستہ ہو اس پر بھی خطا کی صورت نہیں بن سکتی (یاد رہے) یہ ایک لطیف رمز ہے"۔

اب تک مسلمانوں کی حکومت لاہور تک تھی ۵۸۹ھ میں سلطان معز الدین سام غوریؒ نے ہندوستان کے آخری فرمانروا پرتھی راج کو شکست دے کر دہلی کو دار السلطنت قرار دیا۔ اسوقت سے لیکر ۱۲۷۳ھ تک اس برصغیر پاک و ہند کے علاقہ پر مسلمانوں کا تسلط و اقتدار رہا۔ اب حدیث صحیح اور رویائے صادقہ کی روشنی میں اس کشور ہند کے تمام فاتحوں اور غازیوں کی تاریخ اور ان کے حالات پڑھ جائیے، محمود غزنویؒ سے لیکر اورنگ زیب عالمگیر بلکہ سید احمد شہیدؒ تک کوئی غیر حنفی فاتح اور غازی نہیں ملے گا۔ اس ملک کے اوّلین غازی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئی کا صحیح مصداق ہیں۔ ان حضرات کی برکت سے ظلمت کدۂ ہند نورِ اسلام سے جگمگا اٹھا۔ ہندوستان میں ان فاتحین کے قدم رکھنے کے ساتھ ساتھ صوفیہ، اہلِ دل اور علماء کی آمد شروع ہوئی اور سگانِ ہند جوق در جوق اسلام کے حلقہ بگوش ہوتے گئے۔ عوام و خواص سب کے سب عقیدہ و عمل کے لحاظ سے حنفی مذہب کے پیرو تھے جو شریعت محمدیہ کی سب سے پہلی تشریح اور تمام مذاہب اہل سنت کے زیادہ قریب ہے اور ایمان و عمل میں اخلاص کی دولت صوفیہ کی بدولت نصیب ہوئی۔ چنانچہ کشمیر کے بارے میں محمد قاسم فرشتہ کے الفاظ ہیں۔

"رعایای آن ملک کلہم اجمعین حنفی مذہب اند" (تاریخ فرشتہ، ص ۳۳۷، طبع نول کشور)

اور اس سے قبل تاریخ رشیدی کے حوالہ سے ناقل ہے:

"مرزا حیدر در کتاب رشیدی نوشتہ کہ مردم کشمیر تمام حنفی مذہب بودہ اند" (تاریخ فرشتہ، ص: ۳۳۶)

اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مغل امپائر کے فرمانروا کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"سلطانِ وقت خود حنفی می گیرد و از اہلِ سنت میداند" (مکتوبات امام ربانی دفتر اوّل مکتوب دوصد پنجاہ و یکم حصہ چہارم ص: ۶۰ طبع مجددی امرتسر ۱۳۲۹ھ اس کتاب کا قلمی نسخہ برادر عزیز مولوی محمد عبدالحلیم چشتی صاحب کی ملکیت میں ہے اور میں نے یہ عبارت اسی کے صفحہ ۲۴۶ سے نقل کی ہے)

اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحصیل التعرف فی الفقہ والتصوف میں رقم فرماتے ہیں:

"واہل الروم وما وراء الہند والہند حنفیون"۔ (اہل روم اور اہل ہند سب حنفی ہیں)

اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"روزے درحدیث لوکان الدین عند الثریا لناله رجال او رجل من ہؤلاء، یعنی اہل فارس و فی روایۃ لناله رجال من ہولا، بلاشک مذاکرہ می کردیم۔"

"ایک دن اس حدیث پر ہم گفتگو کر رہے تھے جس میں آتا ہے کہ اگر دین ثریا پر بھی ہو تو اسکو انہیں سے یعنی اہل فارس میں سے کچھ لوگ یا انہیں سے ایک شخص ضرور حاصل کر کے رہیگا اور ایک روایت میں بغیر شک کے "ہولا" کا ہی لفظ مذکور ہے یعنی اہل فارس کے کچھ افراد ضرور حاصل کر کے رہیں گے ۔۔۔۔۔۔"

"فقیر گفت: امام ابوحنیفہؒ درین حکم داخل ہست کہ خدا تعالیٰ علم فقہ را بر دست دی شائع ساخت و جمعے از اہل اسلام را آبان فقہ مہذب کردانید خصوصاً در عصر متاخر کہ دولت ہمی مذہب است و بس، در جمیع بلدان و جمیع اقالیم بادشاہان حنفی اند و قضاۃ و اکثر مدرسان و اکثر عوام حنفی۔"

"فقیر (یعنی میں) نے کہا کہ امام ابوحنیفہؒ اس حکم میں داخل ہیں کہ حق تعالیٰ نے علم فقہ کی ان کے ہاتھوں اشاعت فرمائی اور اہل اسلام کی ایک جماعت کو اس فقہ کے ذریعے آراستہ فرمایا۔ خصوصاً پچھلے دور میں کہ بس یہی مذہب ذی دولت ہے۔ تمام شہروں اور تمام ملکوں میں بادشاہ حنفی ہیں۔ قاضی اور اکثر مدرسین اور اکثر عوام حنفی ہیں۔"

(ملاحظہ ہو "کلمات طیبات"، شاہ ولی اللہ، ص ۱۷۷)

اور تفہیمات الٰہیہ میں لکھتے ہیں:

"و جمہور الملوک و عامۃ البلدان متمذہبین بمذہب ابی حنیفہ۔" (تفہیمات الٰہیہ ص ۲۱۲ - ج: ۱)

"عام سلاطین اور تمام ممالک امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے پیروکار ہیں۔"

واضح رہے کہ نجات ابدی کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں۔ علم، عمل اور اخلاص۔ پھر علم کی دو قسمیں ہیں ایک علم جس کا مقصود مجرد اعتقاد اور یقین قلبی ہے اور جس پر ایمان کا دارومدار ہے اور جس کی تفصیل علم عقائد و کلام میں مذکور ہے اور دوسرا وہ علم جس سے مقصود عمل ہے اور علم فقہ جس کے بیان کا متکفل ہے۔ اہل ہند عقائد و فقہ دونوں میں امام اعظمؒ کے مسلک کے پیرو رہے ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ عقائد و فقہ دونوں میں اسلامی دنیا کی اکثریت کے مقتداء ہیں۔ علم عقائد میں امام صاحبؒ کی متعدد تصانیف یادگار ہیں جیسے (۱) کتاب الفقہ الاکبر (۲) کتاب العالم والمتعلم (۳) کتاب الرسالۃ الی عثمان التبی یہ کتابیں مطبوعہ و متداول ہیں۔ امام طحاویؒ نے ائمہ حنفیہ کے عقائد کو ایک مستقل رسالہ میں اس نام سے جمع کر دیا

"بیان عقیدة فقہاء الملة ابی حنیفہ وابی یوسف ومحمد بن الحسن رحمہم اللہ" یہ رسالہ "العقائد الطحاویہ" کے نام سے مشہور و متداول ہے۔ امام طحاوی کے معاصر ماوراء النہر کے مشہور امام، امام اہل السنة ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ المتوفی ۳۳۲ھ نے "امام المہدی" کے لقب سے مشہور ہیں، ان عقائد کو عقل و نقل کی روشنی میں بڑی تفصیل کے ساتھ مدون فرمایا ہے اور بڑی عمدہ تصانیف اس سلسلہ میں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ تمام حنفی دنیا اس بارے میں آپ کی مرہون منت ہیں۔ امام ابو جعفر طحاویؒ نے جس طرح اپنی بیش بہا تصانیف، احکام القرآن، شرح معانی الآثار بیان مشکل الآثار وغیرہ کے ذریعہ فقہ حنفی کی خدمت کی ہے اور کتاب و سنت کی روشنی میں اسکو خوب مدلل و مبرہن کیا ہے بعینہ وہی کام امام ابو منصور ماتریدی نے اپنی گرانقدر تصانیف "تاویلات القرآن، کتاب المقالات، کتاب التوحید وغیرہ کے ذریعے حنفی عقائد کے بارے میں انجام دیا ہے۔ جزاء ہما اللہ تعالیٰ عنا وعن سائر المسلمین خیر الجزاء۔

ہندوستان، ماوراء النہر اور روم کا تمام خطہ بلکہ تمام حنفی عقیدتاً ماتریدی کہلاتے ہیں؛ یہ واضح رہے کہ عقائدِ اہل السنة والجماعة کے بنیادی طور پر کوئی اہم اختلاف نہیں ہے تاہم عقائد ماتریدیہ اس حیثیت سے ممتاز ہیں کہ ان کی تدوین فلسفہ کے اثر سے قطعاً پاک ہے اور ان کی بنیاد خالص کتاب و سنت پر ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جو علم عقائد و کلام میں امامت و اجتہاد کے منصب پر فائز ہیں فرماتے ہیں:

"بریں فقیر ظاہر ساختہ اند کہ در خلافیات کلام حق بجانب حنفی است۔ تکوین را از صفات حقیقیہ می داند ہرچند بظاہر رجوع بقدرت و ارادت می نماید۔ لیکن بدقت نظر و نور فراست معلوم گردد کہ صفت علیحدہ است۔ علیٰ ہذا القیاس و در خلافیات فقہی در اکثر مسائل حق بجانب حنفی است۔ و در اقل متردد و ایں فقیر را در توسط احوال حضرت پیغمبر علیہ وآلہ الصلوٰة والتسلیمات در واقعہ فرمودہ بودند کہ تو از مجتہدان علم کلامی، از آں وقت در ہر مسئلہ از مسائل کلامیہ ایں فقیر را رای خاص است و علم مخصوص

"اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے کہ علم کلام کے اختلافی مسائل میں حق حنفیوں کی طرف ہے چنانچہ تکوین کو حق تعالےٰ کے حقیقی صفات میں جانتے ہے اور ہرچند کہ بظاہر صفت تکوین قدرت و ارادت ہی کی طرف لوٹتی نظر آتی ہے لیکن وقت نظر اور فراست سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مستقل صفت ہے علیٰ ہذا القیاس (اور مسائل خلافیہ کلام کا حال ہے) اور فقہی اختلافات میں اکثر مسائل کے اندر حق حنفی مذہب کی جانب ہے۔ اور بہت ہی کم میں متردد کہ دوسری جانب بھی ان کے حق میں ہونیکا احتمال ہے) اور اس فقیر کو پیغمبر علیہ الصلوٰة والسلام نے واقعہ میں فرمایا تھا کہ تو علم کلام کے مجتہدین میں سے ہے۔ اسوقت سے مسائلِ کلامیہ میں ہر مسئلہ میں اس فقیر کی ایک خاص

در اکثر مسائل خلافیہ کہ ماتریدیہ واشاعرہ در انجا متنازع اند در ابتداء ظہور آن مسئلہ حقیقت بجانب اشاعرہ مفہوم می گردد و چوں بہ نور فراست وحدت نظر نمودہ می آید واضح میگردد کہ حق بجانب ماتریدیہ است۔

رائے مخصوص علم ہے اکثر وہ اختلافی مسائل کہ جن میں ماتریدیہ اور اشاعرہ کے مابین نزاع ہے ان میں مسئلہ کے ابتداءِ ظہور میں تو حقیقت اشاعرہ کی جانب معلوم ہوتی ہے لیکن جب نورِ فراست سے گہری نگاہ ڈالی جاتی ہے تو واضح ہوتا ہے کہ حق ماتریدیہ کی جانب ہے۔

"در جمیع مسائل خلافیہ کلامیہ رای ایں فقیر موافق رای علماء ماتریدیہ است و الحق ایں بزرگواران را بواسطہ متابعت سنّت سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ شان عظیم است کہ مخالفان ایشان را، بواسطہ خلط فلسفیات آن شان میسر نیست اگرچہ ہر دو فریق از اہل حق اند"

"علم کلام کے تمام مسائل خلافیہ میں اس فقیر کی رائے علماء ماتریدیہ کے موافق ہے اور سچ یہ ہے کہ ان بزرگوں کی اتباع سنّت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی بدولت ایسی بڑی شان ہے کہ جو شان ان کے مخالفین کو فلسفہ کے مسائل کو ملا دینے کے سبب میسر نہیں۔ اگرچہ دونوں فریق اہل حق سے ہیں۔

(رسالہ مبدا و معاد، از مجدد الف ثانی، ص ۴۹ طبع دہلی)

"در میان علماء اہل سنّت طریق اصحاب شیخ الاسلام شیخ ابو منصور ماتریدی چہ زیبا است کہ اکتفا بہ مقاصد فرمودہ اند و اعراض از تدقیقات فلسفہ کردہ۔ طریق نظر و استدلال بطریق فلسفی درمیان علماء اہل سنّت و جماعت از شیخ ابوالحسن اشعری ناشی شدہ است و خواستہ کہ معتقدات اہل سنت را باستدلال فلسفی تمام سازد و ایں دشوار است و دلیر ساختن است بر طعن اکابرِ دین، و گزاشتن است طریق سلف را

"علماءِ اہل سنّت میں شیخ الاسلام شیخ ابو منصور ماتریدی کے اصحاب کا طریقہ کیسا زیبا ہے کہ مقاصد پر اکتفاء فرماتے اور فلسفیانہ باریکیوں پر رُخ نہیں کرتے، فلسفیانہ بحث و استدلال کا طریقہ علماءِ اہل سنّت وجماعت کے درمیان شیخ ابوالحسن اشعری سے شروع ہوا ہے ان کی خواہش تھی کہ اہل سنت کے عقائد کو فلسفیانہ استدلال سے مکمل کیا جائے اور یہ دشوار بات ہے اور اکابر دین کے طعن پر جرأت دلانا اور سلف کے طریقہ کو چھوڑنا ہے۔ اللہ سبحانہ آراءِ اہل حق کی پیروی پر جو انوار نبوت سے جگمگا رہی ہے

ثبتنا اللہ سبحانہ علی متابعۃ آراء اہل حق المقتبسۃ من الانوار النبوۃ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات اتمہا واکملہا۔"

ہمیں ثابت قدم رکھے۔ ذاتِ رسالت مآب پر واکمل صلوات و تسلیمات۔"

(ایضاً ص ۵۶)

اور فقہ حنفی کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہی فرماتے ہیں:

"بے شائبہ تکلف و تعصب گفتہ می شود کہ نورانیت ایں مذہب حنفی در نظر کشفی در رنگ دریائے عظیم می نماید وسائر مذاہب در رنگ حیاض و جداول بنظر می در آیند و بظاہر ہم کہ ملاحظہ نمودہ می آید سواد اعظم از اہلِ اسلام متابعان ابی حنیفہؓ اند علیہم الرضوان،

"بغیر کسی تکلف و تعصب کے بے شائبہ کہا جا سکتا ہے کہ نظر کشفی میں اس مذہب حنفی کی نورانیت ایک بڑے سمندر کی طرح معلوم ہوتی ہے اور بقیہ مذاہب ایسے نظر آتے ہیں جیسے کہ حوض اور نہریں ہوتی ہیں اور بظاہر بھی دیکھا جائے تو اہلِ اسلام کا سواد اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالےٰ ہی کا پیرو ہے۔

و ایں مذہب باوجود کثرت متابعان در اصول و فروع از سائر مذاہب متمیز است و در استنباط طریق علیحدہ دارد، و ایں معنی از حقیقت است۔"

نیز یہ مذہب اپنے متبعین کی کثرت کے باوجود اصول و فروع میں تمام مذاہب سے ممتاز ہے اور طرزِ استنباط میں جداگانہ طریقہ کا حامل ہے اور یہ بات بھی اس کی حقانیت کی خبر دیتی ہے۔"

(مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوبات پنجاہ وپنجم، ص: ۱۴، حصہ ہفتم، طبع، امرتسر ۱۳۳۲ھ)

اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "فیوض الحرمین" میں رقمطراز ہیں:

"عرفنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی المذھب الحنفی طریقۃ انیقۃ ھی اوفق الطرق بالسنۃ المعروفۃ التی جمعت ونقحت فی زمان البخاری واصحابہ"

"مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ مذہبِ حنفی میں ایک بہترین طریقہ ہے جو اس سُنّت معروفہ کے سب سے زیادہ موافق ہے جو امام بخاریؒ اور ان کے اصحاب کے زمانہ میں مدون منقح ہوئی ہے۔"

ایک اور وجہ مذہبِ حنفی کی حقانیت کی یہ بھی ہے کہ جب سے اس مذہب کا شیوع ہوا اسلامی دنیا کے غالب حصہ میں علم جہاد ان ہی کے ہاتھ میں رہا، قسطنطنیہ کے فاتحین یہی ہیں، ہندوستان کو فتح انھوں نے ہی کیا اور اسی مذہب کے ذریعے کم و بیش ایک ہزار سال تک پوری دنیا میں اسلامی نظام نافذ رہا۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

نے "فیوض الحرمین" کے بالکل آخر میں ملتِ حقہ اور مذہبِ حقہ کی ایک شناخت یہ بھی تحریر فرمائی ہے کہ:

"بان یکون حفظة المذهب هم القائمون بالذب عن الملة، او یکون شعارهم فی قطر من الاقطار هو الفارق بین الحق والباطل۔ (۱۰۳، ۱۰۴)

خاص مذہب کے پاسبان ہی ملتِ اسلامیہ کی طرف سے دفاع کے لئے کھڑے ہوں، یا ممالک میں سے کسی خاص ملک میں، ان کا شعار ہی حق و باطل میں فرق کرنے والا ہو۔"

اب برّ اعظم ایشیا کی پوری اسلامی تاریخ پڑھ جائیے، آپ کو اسلامی اقتدار کا نشان حنفی ہی ملیں گے۔ بارہ سو سال سے اس برّ اعظم میں علمِ جہاد ان ہی کے ہاتھ میں رہا ہے وہی مذہب کے پاسبان اور ملّت اسلامیہ کے محافظ رہے ہیں۔ بالخصوص ہند و پاک اور سرزمین روم و ماوراء النہر میں ہر جگہ کفر سے نبرد آزمائی ان کا شیوہ رہا، اور کفارِ عجم کے مقابلہ میں بھی ہمیشہ سینہ سپر رہے، یہی تھے جو ان تمام ممالک میں حق و باطل کے ہر معرکہ میں ہر جگہ حق کا شعار اور صداقت کا نشان بنے رہے۔

تیسری چیز اخلاق جو علم و عمل کے لئے بمنزلہ روح ہے، اس کا حصول سلوک طریقہ صوفیہ سے وابستہ ہے سو الحمد للہ سرزمین پاک و ہند شروع ہی سے جب سے غازیان اسلام نے اِدھر کا رخ کیا، ان حضراتِ قدسی صفات کے قدوم میمنت لزوم سے مشرف ہوتی رہی، دورِ غزنوی میں ان بزرگوں کی آمد کا یہ اہتمام تھا کہ ادھر حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ لاہور سے نکل رہا تھا اور اُدھر حضرت علی ہجویریؒ صاحبِ "کشف المحجوب" کا داخلہ ہو رہا تھا۔ غوریوں کے عہد میں جب قبۃ الاسلام دہلی یہاں کے مسلمانوں کے فرمانروا کا دار الملک بنا تو پھر ان حضرات کی آمد میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ مشائخ سہروردیہ، شیوخ فردوسیہ، بندگانِ قادریہ، حضراتِ چشت اہلِ بہشت سب کی آمد کا تانتا بندھ گیا، کشمیر فتح ہوا تو کبراءِ ہمدانیہ کا وہاں ورود ہوا۔ ان حضرات کی آمد سے اخلاص کا نور پھیلا اور کفر زار ہند میں اسلام کو فروغ ہوا کہ باید و شاید، ہندوستان جیسی سنگلاخ زمین کو جہاں کے باشندے اپنے آپ کو پوتر اور دوسروں کو ملیچھ سمجھتے تھے، جن کے نزدیک دوسرں کا مذہب قبول کرنا تو بڑی بات ہے ان سے ہاتھ ملانا تک گوارا نہ تھا بلکہ ان کے سائے سے پرہیز کرنا بھی ضروری خیال کیا جاتا تھا، آہستہ آہستہ بطوع و رغبت داخلِ اسلام ہوتے چلے گئے اور آج ہندوستان و پاکستان اور بنگلہ دیش میں جو بفضلہٖ تعالیٰ اہلِ اسلام کی تعداد پچیس کروڑ کے لگ بھگ ہے وہ اِن ہی بزرگوں کی مساعی جمیلہ کا صدقہ اور انہی کے اخلاص کی برکت ہے، اور گو اس میں شک نہیں کہ اس برّصغیر میں اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں سہروردی، فردوسی، ہمدانی، قادری سب ہی سلاسل کے بزرگوں کی کوششوں کو بڑا دخل ہے لیکن یہ بھی ایک امر واقعہ ہے کہ ان بزرگوں کی برکات خاص خاص خطوں اور علاقوں تک محدود رہیں۔ ملتان کی سرحد میں سہروردیہ کا اثر رہا، اوچ شریف کے علاقہ میں

قادریوں کا، دلی اور بہار کے نواح میں فردوسیوں کا اور کشمیر میں ہمدانیوں کا۔ لیکن پورے طور پر جن بزرگوں نے علی الاقلیم دہلی پر فرمانروائی کی وہ حضرات چشت اہل بہشت تھے، بعد کو مغل دور حکومت میں ان کی جگہ قافلہ سالاران اہل دل حضرات اکابر نقشبندیہ ہوئے جن کا اثر اس برصغیر سے نکل کر روم و عرب اور ماوراء النہر تک پہنچا اور عالم اسلام کا بہت بڑا حصہ ان کے انوار سے معمور ہو گیا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بجا فرمایا ہے کہ:

"تخم از بخارا و سمرقند آوردہ در زمین ہند کہ مایہ اش از خاک یثرب و بطحا است کشتند و آب فضل سالہا آں را سیراب داشتند و بہ تربیت احسان آنرا مربے ساختند، چوں آں کشت و کار بکمال رسید ایں علوم و معارف ثمرات بخشند۔" (مکتوبات امام ربانی، دفتر اول مکتوب ۲۹۰، ص ۹۲ حصہ چہارم طبع امرتسر)

"بخارا و سمرقند سے تخم لاکر زمین ہند میں کہ جس کی اصل یثرب و بطحا کی مٹی ہے اس کو بویا اور فضل خدا کے پانی سے برسوں اس کو سینچا اور اخلاق کی تربیت سے اس کی پرورش کی، پھر جب یہ کھیتی باڑی اپنے کمال پر پہنچی تو یہ علوم و معارف پھل دینے لگے۔"

اور ان کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ اس حقیقت کی نقاب کشائی ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

"مخدوما در ہندوستان ہم ولایت بسر است۔ امروز در ہندوستاں آں میسر ست کہ در اکثر جانیست، از کثرت فیوض و واردات رشک بقاع و بما است، و از مزج صباحت و ملاحت شباہت تام بتربت یثرب و بطحا در حسن و لطافت دارد و از انوار و برکات آں بخشش از بخش امیدوارست۔"

"مخدوما ہندوستان میں بھی ولایت میسر ہے آج کل ہندوستان میں وہ چیز میسر ہے جو اکثر جگہوں پر نہیں ہے۔ فیوض ارادت کی کثرت سے دوسرے مقامات اور شہروں کے لئے باعث رشک ہے اور خوبروئی و نمکینی کی باہمی آمیزش کی بدولت یثرب و بطحا کی خاک سے حسن و لطافت میں شباہت تام رکھتا ہے (اور بندہ) اس کے انوار و برکات سے زیادہ سے زیادہ اُمید رکھتا ہے۔"

یہ ہے اس ہندوستان جنت نشان میں شمع اسلام کے فروزاں ہونے کی مختصر سی داستان صداقت نشان۔ پھر وہ وقت اس سرزمین پر ایسے بھی آئے جن میں یہ ڈر تھا کہ اسلام کی شمع فروزاں جس کو غازیوں نے اپنے خون سے اور اہل دل نے اپنی شعلہ نفسیوں سے اب تک روشن رکھا تھا۔ نصیب دشمناں کہیں ہمیشہ کے لئے بجھ نہ جائے۔ ایک

اکبری دور الحاد کو جس کے اثرِ بد کو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تربیت باطنی اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی علمی کاوشوں کے ذریعے زائل کیا۔ جزاہما اللہ تعالیٰ عنا وعن سائر المسلمین خیر الجزاء۔ دوسرا انگریز کا عہد نحوست مہد بالخصوص ۱۲۷۳ھ کا ہنگامہ رستخیز کہ جس میں اس ملک کے اندر مسلمانوں کے اقتدار کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ اور ہر طرف مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جانے لگی، طرح طرح کے فتنوں نے سر اٹھایا، لامذہبیت، نیچریت اور قادیانیت نے جنم لیا۔ اہل بدعت نے زور باندھا اور ہر طرف سے اسلام اور مسلمانوں پر مصیبت ٹوٹ پڑی لیکن حق تعالیٰ کو ابھی اس ملک میں اسلام کو باقی رکھنا تھا۔ دہلی کے عربک کالج سے دو طالب علم نکلے جن کی علمی تربیت مولانا مملوک العلیؒ اور شاہ عبدالغنی محدث و مجددیؒ نے کی تھی اور باطنی تربیت شیخ وقت حجۃ الاسلام حضرت حاجی امداد اللہ صاحب فاروقی مہاجر مکیؒ نے، اخلاص کی دولت اور چشتیہ و نقشبندیہ کی نسبت حاجی صاحبؒ کے آستانہ سے ملی اور مجددیہ کے برکات اور خاندانِ ولی اللہ کے علوم و فیوض ان دونوں بزرگان مذکور الصدر کے خوانِ علمی سے۔ میری مراد ان دونوں طالبعلموں سے حضرت محدث مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت متکلم اسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے ہے۔

قدرت کو ان دونوں سے کام لینا تھا، آگے چل کر ان کے دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ ایک ایسی درسگاہ کی بنیاد رکھی جائے جو اس دور زوال و انحطاط میں مسلمانوں کے دینی علوم کی نشر و اشاعت اور ان کو علمی و دینی تربیت کا مرکز ہو۔ حق تعالیٰ کے یہاں اخلاص کی قدر ہے۔ وہ مدرسہ جو ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ میں جاری ہوا دیوبند جیسی گمنام بستی میں چھتہ کی مسجد میں انار کے درخت کے نیچے جس کے پہلے مدرس مولانا محمود دیوبندیؒ اور پہلے طالب علم مولانا محمود حسن (شیخ الہندؒ) تھے اور ۲ ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ کو جس کی بنیاد کا پہلا پتھر مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ نے رکھا اور بعد میں جناب مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور مولانا مظہر صاحبؒ نے ایک ایک اینٹ رکھی تھی اور جس کی پہلے سال کی کل آمدنی چھ سو اکیاون روپے چار آنے تھی، کل دو مدرس ایک عربی دوسرے فارسی و ریاضی کے مقرر ہوئے اور کل بیس طالب علم شروع میں شریک ہوئے۔ سوچئے آج ایک سو سال کے اندر یہ کس عظمت کا حامل ہے اور اس سے دینِ حنیفی و مذہب حنفی کی کیسی سرسبزی و شادابی ہوئی۔

بقول مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ:

"ذرا سوچئے ان لوگوں کو جو تقریباً ایک صدی سے عالم دین بن کر "دارالعلوم دیوبند" سے نکل رہے ہیں اور ملک کے طول و عرض میں پھیل رہے ہیں اور خود وہی نہیں بلکہ کون نہیں جانتا کہ ان میں ایسے کتنے ہیں جن کے ماننے والوں اور ان سے اثر پذیر ہونیوالے عقیدت مندوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے۔ ان میں حکیم الامت مرشد تھانویؒ، شیخ الہند حضرت امام کشمیریؒ، شیخ الاسلام پاکستان مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مدنیؒ، مولانا خلیل احمدؒ جیسے حضرات و اکابر ہیں جن میں ہر ایک اپنے اپنے وقت اور حلقہ اثر میں مستقل امام اور پیشوا مانے جاتے ہیں۔" (سوانح قاسمی ص ۱۴۳، ج ۱)

قادریوں کا، دلی اور بہار کے نواح میں فردوسیوں کا اور کشمیر میں ہمدانیوں کا۔ لیکن پورے طور پر جن بزرگوں نے علی الاقلیم دلی پر فرمانروائی کی وہ حضرات چشت اہلِ بہشت تھے، بعد کو مغل دورِ حکومت میں ان کی جگہ قافلہ سالاران اہلِ دل حضرات اکابرِ نقشبندیہ ہوئے جن کا اثر اس برِصغیر سے نکل کر روم و عرب اور ماوراء النہر تک پہنچا اور عالمِ اسلام کا بہت بڑا حصہ ان کے انوار سے معمور ہوگیا۔

حضرت مجددؒ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بجا فرمایا ہے کہ:

"تخم از بخارا و سمرقند آوردہ در زمین ہند کہ مایہ اش از خاک یثرب و بطحا است کشتند و آب فضل سالہا آں را سیراب داشتند و بہ تربیت احسان آنرا مربے ساختند، چوں آں کشت و کار بکمال رسید ایں علوم و معارف ثمرات بخشند" (مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اول مکتوب ۲۹۰، ص ۹۲ حصہ چہارم طبع امرتسر)

"بخارا و سمرقند سے تخم لاکر زمین ہند میں کہ جس کی اصل یثرب و بطحا کی مٹی ہے اس کو بویا اور فضلِ خدا کے پانی سے برسوں اس کو سینچا اور اخلاق کی تربیت سے اس کی پرورش کی، پھر جب یہ کھیتی باڑی اپنے کمال پر پہنچی تو یہ علوم و معارف پھل دینے لگے۔"

اور ان کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ اس حقیقت کی نقاب کشائی ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

"مخدوما در ہندوستان ہم ولایت بسر است۔ امروز در ہندوستاں آں میسر ست کہ در اکثر جانیست، از کثرت فیوض و واردات رشک بقاع و بما است، و از مزج صباحت و ملاحت شباہت تام بتربت یثرب و بطحا در حسن و لطافت دارد و از انوار و برکات آں بیش از بیش امید وارست۔"

"مخدوما ہندوستان میں بھی ولایت میسر ہے آج کل ہندوستان میں وہ چیز میسر ہے جو اکثر جگہوں پر نہیں ہے۔ فیوض ارادت کی کثرت سے دوسرے مقامات اور شہروں کے لئے باعث رشک ہے اور خوبروئی و نمکینی کی باہمی آمیزش کی بدولت یثرب و بطحا کی خاک سے حسن و لطافت میں شباہت تام رکھتا ہے (راوبندہ) اس کے انوار و برکات سے زیادہ سے زیادہ امید رکھتا ہے۔"

یہ ہے اس ہندوستان جنت نشاں میں شمع اسلام کے فروزاں ہونے کی مختصر سی داستان صداقت نشان۔ پھر وہ وقت اس سرزمین پر ایسے بھی آئے جن میں یہ ڈر تھا کہ اسلام کی شمع فروزاں جس کو غازیوں نے اپنے خون سے اور اہلِ دل نے اپنی شعلہ نفسیوں سے اب تک روشن رکھا تھا۔ نصیب دشمناں کہیں ہمیشہ کے لئے بجھ نہ جائے۔ ایک

اکبری دورِ الحاد کہ جس کے اثرِ بد کو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تربیت باطنی اور شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے اپنی علمی کاوشوں کے ذریعے زائل کیا۔ جزاہما اللہ تعالیٰ عنا وعن سائر المسلمین خیر الجزاء۔ دوسرا انگریز کا عہد نحوست مہد بالخصوص ۱۲۷۳ھ کا ہنگامہ رستخیز کہ جس میں اس ملک کے اندر مسلمانوں کے اقتدار کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ اور ہر طرف مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جانے لگی، طرح طرح کے فتنوں نے سر اٹھایا، لامذہبیت، نیچریت اور قادیانیت نے جنم لیا۔ اہل بدعت نے زور باندھا اور ہر طرف سے اسلام اور مسلمانوں پر مصیبت ٹوٹ پڑی لیکن حق تعالیٰ کو اسی اس ملک میں اسلام کو باقی رکھنا تھا۔ دہلی کے عربک کالج سے دو طالب علم نکلے جن کی علمی تربیت مولانا مملوک العلیؒ اور شاہ عبد الغنی محدث و مجددیؒ نے کی تھی اور باطنی تربیت شیخ وقت حجۃ الاسلام حضرت حاجی امداد اللہ صاحب فاروقی مہاجر مکیؒ نے، اخلاص کی دولت اور چشتیہ و نقشبندیہ کی نسبت حاجی صاحبؒ کے آستانہ سے ملی اور مجددیہ کے برکات اور خاندانِ ولی اللہ کے علوم و فیوض ان دونوں بزرگان مذکور الصدر کے خوانِ علمی سے۔ میری مراد ان دونوں طالبعلموں سے حضرت محدث مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت متکلم اسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے ہے۔

قدرت کو ان دونوں سے کام لینا تھا، آگے چل کر ان کے دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ ایک ایسی درسگاہ کی بنیاد رکھی جائے جو اس دورِ زوال و انحطاط میں مسلمانوں کے دینی علوم کی نشر و اشاعت اور ان کو علمی و دینی تربیت کا مرکز ہو۔

حق تعالیٰ کے یہاں اخلاص کی قدر ہے۔ وہ مدرسہ جو ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ میں جاری ہوا دیوبند جیسی گمنام بستی میں چھتہ کی مسجد میں انار کے درخت کے نیچے جس کے پہلے مدرس مولانا محمود دیوبندیؒ اور پہلے طالب علم مولانا محمود حسن (شیخ الہند) تھے اور ۲ ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ کو جس کی بنیاد کا پہلا پتھر مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ نے رکھا اور بعد میں جناب مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور مولانا مظہر صاحبؒ نے ایک ایک اینٹ رکھی تھی اور جس کی پہلے سال کی کل آمدنی چھ سو پانچ روپے چار آنے تھی، کل دو مدرس ایک عربی دوسرے فارسی و ریاضی کے مقرر ہوئے اور کل بیس طالب علم شروع میں شریک ہوئے۔ سوچئے آج ایک سو سال گذر جانے پر کس عظمت کا حامل ہے اور اس سے دینِ حنیفی و مذہب حنفی کی کیسی سرسبزی و شادابی ہوئی۔

بقول مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ:

"ذرا سوچئے ان لوگوں کو جو تقریباً ایک صدی سے عالم دین بن کر "دار العلوم دیوبند" سے نکل رہے ہیں اور ملک کے طول و عرض میں پھیل رہے ہیں اور خود وہی نہیں بلکہ کون نہیں جانتا کہ ان میں ایسے کتنے ہیں جن کے ماننے والوں اور ان سے اثر پذیر ہونیوالے عقیدت مندوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے۔ ان میں حکیم الامت مرشد تھانویؒ، شیخ الہندؒ حضرت امام کشمیریؒ، شیخ الاسلام پاکستان مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مدنیؒ، مولانا خلیل احمدؒ جیسے حضرات و اکابر ہیں جن میں ہر ایک اپنے اپنے وقت اور حلقہ اثر میں مستقل امام اور پیشوا مانے جاتے ہیں۔" (سوانح قاسمی ص ۱۳۳، ج ۱)

حضرت نانوتویؒ نے خواب دیکھا تھا کہ خانہ کعبہ کی چھت پر کسی اونچی جگہ پر بیٹھا ہوں اور کوفہ کی طرف میرا منہ ہے اور ادھر سے ایک نہر آتی ہے جو میرے پاؤں سے ٹکرا کر جاتی ہے۔" حضرت نانوتوی نے اس خواب کا تذکرہ حضرت شاہ اسحاق دہلویؒ کے بھائی مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے کیا، مولانا نے اس خواب کو سُن کر فرمایا کہ "خواب دیکھنے والے شخص سے مذہب حنفی کو بہت تقویت ہوگی۔"

امیر شاہ خاں صاحب جو اس خواب کے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے یہ خواب اور اس کی تعبیر خود مولانا نانوتویؒ سے سنی[1] اس کی جو تعبیر دی گئی آج اس خواب کی حقیقت اظہر من الشمس ہے۔ مولانا گیلانیؒ نے اس سلسلہ میں بہت صحیح فرمایا کہ "تیرھویں صدی ہجری کے آخر میں مسلمانان ہند کی اپنی زندگی کی وحدت کو جو شدید خطرہ فتنۂ غیر مقلدیت کے طوفان کی وجہ سے پیش آگیا تھا اور قریب تھا کہ یک جہتی کا یہ شیرازہ بکھر کر پراگندہ ہو جائے، شتر بے مہاری کے اس سیلاب کا مد تھا کہ سلف کے سارے کارنامے شاید تہ و بالا ہو کر رہ جائیں، اس کڑے وقت اور کٹھن گھڑیوں میں درس حدیث کے قاسمی یا دیوبندی طریقے نے خصوصیت سے کام کیا اور دین کی وہ تشریحی شکل جو امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ماننے والے ائمہ علماء کی جدوجہد کی بدولت صورت پذیر ہوئی یہ ان کا صدقہ ہے کہ دین کا یہ حنفی قالب شکست و ریخت، ٹوٹ پھوٹ کے خطرے سے ہندوستان میں محفوظ رہا۔"[2]

آخر میں جناب آل احمد صاحب سرور پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا یہ محاکمہ بھی پڑھ لیجئے:

"ہر ایک تحریک اپنے اندر مختلف قسم کے اثرات چھپائے رکھتی ہے علی گڑھ کی تحریک ایک انقلابی تحریک تھی، یہ ترقی پسند تحریک تھی، یہ بادشاہت کے نشہ کو اتار کر حقیقت کی تصویر دکھانا چاہتی تھی، مذہب میں عقلیت، سماجی زندگی میں رسم و رواج سے بیزاری، تعلیم و تربیت مغربیت اور اجتماعی اخلاق کی تلقین کے ذریعے سے اس نے انقلابی خدمات انجام دیں مگر ۱۸۹۰ء کے قریب اس تحریک کی مغرب دوستی انگریز پرستی بننے لگی تھی اور اس لحاظ سے ان علماء کے مقابلہ میں پیچھے تھی جو دیوبند کے ذریعے سے حریت اور سیاسی جدوجہد کے علمبردار تھے"[3]

(بشکریہ "الفرقان" لکھنؤ)

خوب فرمایا اکبر الٰہ آبادی نے:

ہے دل روشن مثال دیوبند اور ندوہ ہے زبان ہوشمند

---

[1] سوانح قاسمی، ج ۱، ص ۱۳۴ [2] ایضاً ص ۱۳۲، تا ۱۳۱

[3] ملاحظہ ہو "تنقید کیا ہے" از پروفیسر آل احمد سرور، شائع کردہ مکتبہ جامعہ دہلی ص ۸۳۔

حمص کا مقام تھا، سرسبز و شاداب علاقے میں قیام تھا، لشکر سستا رہا تھا اور گھوڑے چر کر اپنی اپنی ماندگی دور کر رہے تھے، سپہ سالار اپنے اگلے پروگرام کو مرتب کر رہا تھا کہ معلوم ہوا شاہِ ہرقل نے لاکھوں کا لشکر تیار کر لیا ہے جو روم و شام کے بہادر جنگجوؤں پر مشتمل ہے۔ اس لشکر کی تعداد کئی لاکھ ہے اور وہ بڑی تیزی سے کوچ کرتا ہوا آرہا ہے۔ یہ خبرِ دہشت اثر سنتے ہی سپہ سالارِ اسلام سوچ میں پڑ گئے، اپنے سرداروں کو بلایا اور ان سے مشورہ طلب کیا۔

قیس بن ہبیرہ نے کہا، "ہم نے شام کے شہر بڑی قربانیوں اور جانفشانیوں کے بعد حاصل کئے ہیں، ہمارے مجاہدین نے اپنے لہو سے اس سرزمین کو سینچا ہے میری رائے یہ ہے کہ ہمیں دشمن کا انتظار یہیں کرنا چاہئے اور اسی سرزمین پر شاہِ روم سے مقابلہ کرنا چاہئے۔ اگر ہم اس معرکہ میں شہید بھی ہو جائیں تو شہداء کیساتھ بہشت کے وارث ہوں گے، یہ زمین جنت ارضی ہے، اسے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔"

سرداروں نے قیس کی تقریر کی تائید کر دی مگر حضرت خالد بن ولیدؓ خاموش تھے۔ ایسے موقع پر ان کی خاموشی معنی خیز تھی آخر حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا: "اللہ کی تلوار! تم کیوں خاموش ہو۔ اپنی رائے سے ہماری رہنمائی فرما:"

حضرت خالدؓ نے جواب دیا: "امین الامت، سالارِ لشکر! میں اس لئے خاموش ہوں کہ رائے عامہ ایک بات پر متفق ہے تو مجھے کچھ کہنا مناسب نہیں، اب چونکہ آپ نے پوچھا ہے اس لئے میری رائے قیس کی رائے کے برخلاف ہے۔ ہمیں یہاں ہرگز نہیں ٹھہرنا چاہئے کیونکہ اوّل تو یہ علاقہ ابھی نو مفتوح ہے، یہاں کے لوگوں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، مجھے یقین ہے کہ رومی فوجوں کو دیکھتے ہی یہ لوگ ان سے مل جائیں گے، پھر ہمیں بیت المقدس کی رومی فوجوں کا بھی خطرہ رہے گا، وہ یقیناً اپنے ہم مذہبوں کا ساتھ دینے کے لئے آئیں گے اور ہم ہر طرف سے گھر جائیں گے، عرب سے ہمارا تعلق قائم نہ رہے گا اور نہ ہمیں کمک پہنچ سکے گی، اتنے بڑے لشکر کے مقابلہ کے لئے وسیع میدان کی ضرورت ہے جو یہاں نہیں ہے۔ اس لئے میری رائے یہ ہے کہ ہمیں یہاں سے ہٹ کر

ایسی جگہ کو میدان جنگ کے لئے منتخب کرنا چاہیئے جہاں ہم اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ آسانی سے کر سکیں، گھر کر، دبک دبک کر نہ مریں اور ہمیں مدینہ سے کمک پہنچ سکے۔ مفتوحہ شہروں اور سرسبز زمینوں کا لالچ کچھ مفید نہ ہوگا۔ یہ شہر ہماری فتح مندی سے باآسانی ہمارے مطیع ہو جائیں گے کیونکہ وہ ہماری تلوار کی دھار دیکھ چکے ہیں۔

سیف اللہ کی تقریر سن کر سب کو ہوش آگیا اور سب نے یک زبان اتفاق کیا، حضرت ابوعبیدہؓ خوش ہوئے اور کہا بہادر خالدؓ ایسی باتیں سوچنا تمہارا ہی حصہ ہے اب تم جو نسا میدان چاہو، جلد از جلد لشکر لے کر چلو تاکہ دشمن کی آمد پر ہم سطح مقابلہ کے لئے تیار ہو سکیں ________ حضرت خالدؓ نے کہا، آپ فوراً تمام مفتوحہ شہروں سے اپنے نگران اور سپاہ کو حکم بھیجیں کہ وہ ہمیں دریائے یرموک پر آملیں، تاکہ بغاوت کی صورت میں ان پر زد نہ پڑے اور وہ دشمن کی تلوار سے بچ سکیں۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے فوراً مختلف شہروں کے نگرانوں کو حکم نامے بھیجدیئے اور لشکر لیکر یرموک کی طرف چل پڑے۔ دریائے یرموک پر پہنچے تو دیکھا کہ یرموک سے ملنے والی ایک ندی نے ایک بڑے میدان کو گھیر رکھا ہے۔ ایک چھوٹا سا قطعۂ زمین شمال کی طرف ایسا ہے جس سے بڑا حملہ ناممکن ہے۔ حضرت خالدؓ نے اسی طرف اپنا لشکر اُتارا۔ لشکر گاہ کے ساتھ ہی ریگستان شروع ہو جاتا ہے جسے عبور کرنا صرف عربوں ہی کا کام تھا، رومی اس میدان کے شہسوار نہ تھے۔

شاہ ہرقل نے انطاکیہ سے اپنی افواج کو مختلف گروہوں میں تقسیم کیا، ایک لاکھ جنگجوؤں کا لشکر دیکر قناطیر کو افسر بنایا اسے طرطوس کی جانب کوچ کا حکم دیا۔ دوسرے ایک لاکھ پر اپنے بھانجے قودیر کو افسر مقرر کیا، تیسرے لاکھ پر جرجیر کو افسر بنا کر قنسرین پر بھیجا اور چوتھا لاکھ ہامان اپنی کے ماتحت کیا اور اسے سارے لشکر کی کمان عطا کی اور حمص کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔ پانچویں لاکھ پر دریجان کو افسر مقرر کر کے اس کی امداد کو بھیجا۔ جبلہ بن ایہم غسانی کو ساٹھ ہزار غسانیوں پر افسر بنا کر حمص کو جانب دیا۔ یہی غسانی ہراول دستہ مقرر ہوئے۔ اس حساب سے یہ لشکر پانچ لاکھ سے زیادہ تھا۔ سامان حرب کے محفوظ ذخائر ساتھ کئے اور حکم دیا کہ نمایاں کام کرنے والے بہادروں کو کھول کر انعام دیا جائے تاکہ کوئی جوان جانفشانی سے دریغ نہ کرے۔ اور بڑھ چڑھ کر اپنے جوہر دکھائے۔

ہامان نے یرموک کے خالی میدان کو از بس غنیمت جانا اور ندی عبور کر کے اپنا لشکر اُتار دیا۔ اسے خیال تھا کہ عربوں نے اس میدان کو چھوڑ کر سخت غلطی کی ہے جس کا خمیازہ انہیں اُٹھانا ہوگا۔ کیونکہ اس میدان کے ایک طرف دریائے یرموک بہہ رہا ہے اور دوسری طرف ندی بہہ رہی ہے ان دونوں کو عبور کر کے رومی لشکر پر حملہ کرنا قریباً ناممکن ہے۔

دونوں لشکر کئی دن تک آمنے سامنے رہے اور کسی نے جنبش نہ کی۔ اسی اثناء میں قیصر روم کا خط پہنچا کہ عربوں سے گفتگو کی جائے اگر وہ جابیہ تک کا علاقہ لینے پر قناعت کریں تو جنگ سے احتراز کیا جائے۔ ہامان نے خط پڑھ کر سرداروں کو سنایا اور کہا، میں نہیں جانتا کہ شہنشاہ اتنا رحم دل کیوں ہے؟ اسے عربوں پر غصہ کیوں نہیں آتا، ہمارے پاس لشکر اور اتنے جنگجو بہادر ہیں جو ساری دنیا کو فتح کر سکتے ہیں، یہ ذلیل عرب کیا بلا ہیں جن سے اتنی رعایت کی جائے

رومی سپہ سالار نے جرجیر کو اسلامی لشکر کی طرف قاصد بنا کر بھیجا، وہ لباسِ فاخرہ پہنے، خوبصورت گھوڑے پر مرصّع زین ڈالے
امی کیمپ میں آیا، محافظ دستہ سے کہا اپنے سردار کو بلاؤ، میں ان سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ محافظوں نے حضرت ابوعبیدہؓ کو
اع دی، وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور پوچھا کہئے کیا پیغام لائے ہو؟

جرجیر نے کہا: قیصرِ روم نے ہمیں تاکید کی ہے کہ جنگ سے پہلے صلح کی گفتگو کریں، آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے ساتھ چھ
کے قریب لشکر ہے جس میں روم و شام اور عرب کی جنگجو قومیں اور ان کے مشہور تیغ زن شامل ہیں۔ انطاکیہ سے مزید ذخیرہ بھیجا گیا ہے
، عربی لشکر آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں چیونٹی اور ہاتھی کا مقابلہ ہے اور آپ کی قوم کے ختم ہو جانے کا خدشہ ہے عرب پہلے
ریگستان ہے اور اب قبرستان بن جائیگا اور یہاں اُلّو بولیں گے۔

قیصر کا پیغام یہ ہے کہ آپ نے ہمارے شہروں سے جو کچھ حاصل کیا ہے اور جتنا خراج وصول کیا ہے وہ سب معاف کیا جاتا
؛ اسکے علاوہ حجاز سے جابیہ تک کا علاقہ بھی آپ کو دیا جاتا ہے بشرطیکہ آپ اس سے آگے نہ بڑھیں۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے جواب دیا: رومی سردار! مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ سب پر غالب ہے، فتح و ظفر اُسی کے
یار میں ہے وہی عزت دیتا ہے اور وہی ذلت کی خاک سر میں ڈالتا ہے، وہ قلت کو کثرت پر غالب کرتا ہے، وہ ہمارا ہے
ہم اسکے ہیں، ہم کسی دنیوی لالچ کے لئے یہاں نہیں آئے بلکہ اپنے خدا کا نام اور اپنے آقا و مولا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا
نام پہنچانے آئے ہیں، آپ لوگوں کو گمراہی کے گڑھے سے نکال کر راستی کے تخت پر بٹھانے آئے ہیں، ہماری موت
ی شہادت ہے جسے حیاتِ دوام حاصل ہے ہم آپ کی تعداد سے ہراساں ہیں نہ خائف، تلوار ہمارے اس قول کی صداقت
ہر لگائے گی، ہم بھیک مانگتے ہیں نہ قیصر کا عطیہ قبول کرتے ہیں، یہ زمین ہمارا ملک ہے ہمارے نبی نے ہمیں اس کا وارث
ردیا ہے، ہم اپنی وراثت لیں گے اور خدا ہمیں آپ پر اور آپ کے قیصر پر غلبہ عطا کرے گا۔ اگر آپ صلح چاہتے ہیں تو ہماری
شرطوں میں سے ایک شرط قبول کرنا ہوگی۔ پہلی شرط یہ کہ آپ مسلمان ہو کر ہمارے بھائی بن جائیں، اگر یہ منظور نہ ہو تو ہماری حفاظت
آنا قبول کر لیں اور جزیہ ادا کریں۔

جرجیر نے حضرت ابوعبیدہؓ کا جواب سنا تو کچھ اور کہے بغیر واپس چلا گیا، ماہان سے ساری گفتگو بیان کی اور کہا کہ رومیوں سے
عرب ڈرتے نہیں، انہیں تر نوالہ سمجھتے ہیں، ممکن ہے کوئی عرب ان کو سمجھائے تو مان جائیں۔

ماہان نے جبلہ بن ایہم سے کہا، تم بھی عرب ہو، عربوں کی عادات سے واقف ہو، ان چند ہزار عربوں بھوکوں ننگوں کو
ھاؤ کہ اپنے آپ سے دشمنی نہ کریں اور شہنشاہ کی شفقت بھری پیشکش کو منظور کر کے واپس چلے جائیں۔ نہیں تو ہمارا لشکر مار مار کر
یں تباہ کر دے گا۔ اور ان کی ایک ایک بوٹی بھی ہمارے حصّے میں نہیں آئے گی، میرے بس میں ہوتا تو میں ایسی پیشکش کبھی نہ کرتا۔

جبلہ نے اپنے سالار کا حکم سنا، فوراً گھوڑے پر سوار ہوا اور اسلامی کیمپ کے قریب آ کر پکارا، میں جبلہ بن ایہم ہوں اپنے
سی دانا آدمی کو بھیجو تاکہ میں اس سے گفتگو کروں، حضرت عبادہؓ نے عرض کیا کہ مجھے اس سے گفتگو کرنے کا موقع دیا جائے سالار

لشکر نے اجازت دی اور وہ گھوڑے پر سوار ہو کر جبلہ کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

جبلہ نے پوچھا، عربی دوست! آپ کا نام کیا ہے اور عرب کے کس علاقہ سے آپ کو نسبت ہے؟

عبادہ بن صامتؓ نے جواب دیا، میرا نام عبادہ ہے اور یمن کے قبیلہ خزرج سے ہوں۔

جبلہ نے کہا کہ تم تو میرے قرابتی اور عزیز خاص ہو، مجھے تم سے مل کر خوشی ہوئی۔ میں اس لئے یہاں آیا ہوں کہ ہم قرابتی ہو کر ایک دوسرے کا گلہ نہ کاٹیں، ہمارے ساتھ لاکھوں کا لشکر ہے اور تمہاری تعداد ہزاروں میں، لاکھ اور ہزار کا کیا مقابلہ؟ سو ہزار ہوں تو ایک لاکھ بنتا ہے، سمجھ لو یہ لڑائی تمہیں مہنگی پڑے گی، تاریخ تمہاری حماقت آمیز ہلاکت پر ہنسے گی، اقوام دنیا نفرین کریں گی بہتر یہ ہے کہ تم اپنے سردار کو سمجھاؤ، کہ یہ چند ہزار بچا کر لے جائے ورنہ تمہاری ہلاکت پر نہنگان دریا و پرندگانِ ہوا کے سوا کوئی افسوس کرنے والا بھی نہیں ہو گا۔ مانا کہ تم بہادر ہو، شجاع ہو، مگر تمہارے مقابلہ پر بھی تم سے دوگنی تعداد میں سرفروش عرب ہیں جو تم سے کم بہادر اور شجاع نہیں، پھر انطاکیہ سے مزید کمک بھی آنے والی ہی ہے۔"

عبادہؓ نے کہا، ہماری قرابت صرف اہل اسلام سے ہے، جو مسلمان نہیں وہ ہمارا عزیز ہے نہ قرابت دار، اگر تمہیں قرابت کا اتنا ہی پاس ہے تو مسلمان ہو کر ہمارے بھائی بن جاؤ۔ اگر یہ منظور نہیں تو کم از کم اس لشکر سے علیحدہ ہو جاؤ تاکہ ہم رومیوں سے مقابلہ کریں اور اپنے ہم وطنوں کا گلا نہ کاٹیں۔ ہمارا یقین اور ایمان ہے کہ اللہ ہی سب پر غالب ہے وہ ہمیں اب بھی غالب کرے گا۔ قنسرین میں بھی تمہارے تین لشکر تھے، تم خود بھی وہاں موجود تھے، تم نے جان لیا ہو گا کہ ہم خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، تمہارے ساٹھ ہزار قنسرین اور حمودیہ کی افواج نے مل کر بھی صرف بارہ مجاہدوں کا کچھ نہ بگاڑا اور اس نے ہزاروں کا کھیت ڈالا۔ تم دیکھو گے کہ اگر ہمیں ضرورت پڑی تو ہمیں اسی ریگستان کے ذریعے کمک بھی پہنچے گی جس میں جوانانِ شیر دل اور شیر پنجہ ہوں گے۔

جبلہ ہنسا اور کہنے لگا مجھے یاد ہے کہ عرب کے چیدہ فرزند اور جنگجو اس میدان میں دھکیل دیئے گئے ہیں اور اب عرب میں کوئی بہادر باقی نہیں۔"

عبادہؓ ہنسے اور کہا اے جبلہ! تم غلطی پر ہو، ابھی مدینہ میں اتنے شیر دل بہادر موجود ہیں کہ تمہاری فوج کو بس ایک ایک ہی کافی ہے۔ ابھی مدینہ میں حضرت عمر بن الخطابؓ خلیفۂ ثانی، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ حیدر کرار، حضرت عباسؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے علاوہ بہت سے تیغ کے دھنی، بربھیت، تلوار یئے اور ہیل تن موجود ہیں، پھر یمن، طائف اور حجاز کے گرامی پہلوان اجازتِ جہاد کے خواستگار ہیں، خدا نے ہماری پشت مضبوط بنا رکھی ہے۔ سردست تمہارے اتنے بڑے لشکر کے لئے صرف ہم ہی کافی ہیں۔ ہم تم سے نہیں اپنے خدا سے رحم اور نصرت چاہتے ہیں۔ اگر صلح چاہتے ہو تو اسلام قبول کر لو یا جزیہ ادا کر کے ہماری حفاظت میں آ جاؤ۔ اس کے علاوہ ہم میں صلح ناممکن ہے۔"

جبلہ عربوں کو ڈرانے گیا تھا مگر حضرت عبادہؓ نے اسے ڈرا دیا، وہ کہنے لگا کہ نہ میں اسلام قبول کروں گا نہ جزیہ دوں گا بلکہ

لڑوں گا اور تمہیں تباہ کر کے رکھ دوں گا، تم بہت جلد ہماری بات سمجھنے لگو گے۔

عبادہؓ نے کہا: تباہی خدا اور رسولؐ کے باغیوں کے لئے ہے، ہمارے لئے آبادی اور دلشادی ہے۔ تم نہیں جانتے کہ ہمارا خدا ایک، رسولؐ ایک، کعبہ ایک، قوم ایک، خلیفہ ایک، دل ایک، زبان ایک، امنگ ایک اور ولولہ ایک ہے ہمیں شکست دینا تمہارے بس کا روگ نہیں، عنقریب قیصر و کسریٰ ختم ہو جائیں گے اور خدا کے نام سے ایران و روم گونج اٹھیں گے۔

جبلہ عبادہؓ کے جواب سے سخت برہم ہوا، اسے جی حضور، جناب والا، آقا، ولی نعمت وغیرہ الفاظ سننے کی عادت تھی، برابر کی گفتگو سن کر غضبناک ہو گیا، واپس لوٹا اور ہامان سے جا کر کہا' یہ لوگ بڑے بے ادب اور گستاخ ہیں، بات کرنے کی تمیز ہے نہ جواب دینے کی، عجب بات یہ کہ ہمارے اتنے بڑے لشکر سے خائف نہیں، ہمیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں ورنہ ہم سے جزیہ مانگتے ہیں۔

ہامان نے کہا: کل اپنا لشکر لیکر نکلو اور انہیں ایسی سزا دو کہ قیامت تک ضرب المثل کا کام دے۔ تمہارا لشکر ساٹھ ہزار ہے اور یہ تیس چالیس ہزار کے قریب، گویا ان سے تم دو گنے ہو، میں بھی مدد کے لئے تیار رہوں گا، اگر تم انہیں شکست دے دو تو یہ سارا علاقہ بھی تمہیں بخشدیا جائے گا، عرب کا ملک بھی تمہاری ریاست میں شامل ہو گا اور تم بڑے بادشاہ بن جاؤ گے!

جبلہ نے جواب دیا ہاں ضرور میں کل انہیں ایسی سزا دوں گا کہ ان کے سر سے گستاخی اور بے ادبی کا جنون نکل جائیگا انہیں گھیر گھیر کر ماروں گا اور ان کے خون سے ریت کے خشک ذرے سیراب ہوں گے۔

عبادہؓ بن صامت نے حضرت ابوعبیدہؓ کو گفتگو کی کیفیت سے آگاہ کیا، جسے سن کر سالارِ لشکر نے کہا، جنگ ناگزیر ہے خالدؓ! تم سیف اللہ ہو، تمہاری تلواریں بڑا کاٹ ہے، تمہارے بازوؤں میں خدائی طاقت ہے، کل میدانِ جنگ گرم ہوگا، مناسب انتظام سے اپنے لشکر کے دفاع کو مضبوط کر لو۔

حضرت خالدؓ نے کہا: ہم اس میدان کے نکاس پر ہیں، دشمن ہم پر ایک ہی دفعہ نہیں پڑ سکتا، عقب سے ہمیں حملہ کا خطرہ نہیں، آپ عورتوں اور سامان کو ذرا دور ٹیلے پر پہنچا دیں اور کہہ دیں کہ ہوشیار رہیں، اپنے ہتھیار اپنے پاس رکھیں، دشمن سے غافل نہ رہیں اور اگر کوئی ہمارا آدمی بھاگے تو اسے غیرت دلا کر واپس کریں۔

سامان اور عورتیں ٹیلے پر بھیجدی گئیں اور انہیں ہوشیار رہنے کی تاکید کر دی گئی، وہ عرب کے شیروں کی مائیں بہنیں اور بیٹیاں تھیں، ہتھیار پہن کر بیٹھ گئیں۔ حضرت سالار نے منادی کرا دی کہ کل کا دن بہت سخت اور صبر آزما ہوگا، خدا تعالیٰ سے صبر و استقلال کی دعائیں مانگتے رہو، میدان جنگ میں بھی خدا کو نہ بھولو اور اسی سے فتح و نصرت کے طلبگار رہو، شہید اور غازی بننے کے لئے بڑھو، نعرہ ہائے تکبیر سے دشمن کو ہراساں کر دو، اسلام کے ناموس کی حفاظت کے لئے کٹ مرو، عرب کی آتشِ غیرت سے دشمن کو جلا دو۔

مجاہدین نے رات خدا کی عبادت اور فتح و نصرت کے لئے دعائیں مانگتے گذاری اور صبح کی روشنی پھیلی تو مجاہدین نے ہتھیار پہنے اور گھوڑوں پر سوار ہوئے، بیویوں، ماؤں، بہنوں سے رخصت ہوئے اور میدانِ جنگ کی طرف بڑھے۔

ابتدائے جنگ

جبلہ نے اپنی ساٹھ ہزار غسانی فوج میدان میں آراستہ کی، صفیں درست کیں، میمنہ اور میسرہ پر منتخب بہادر متعین کئے اور خود قلبِ لشکر میں بڑے طمطراق سے گھوڑے پر سوار اور زرہ جوشن پہنے ہتھیار لگائے آکھڑا ہوا۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے قیس بن سعیدؓ، کعب بن مالکؓ، معاذ بن جبلؓ، جابر بن عبداللہ اور ابی ایوب خالد بن زیدؓ سے کہا: "تم پانچوں مجاہد جبلہ کے پاس جاؤ اور جس طرح اس نے قرابت کا واسطہ دیا تھا تم بھی یہ حق ادا کر دو۔ چنانچہ وہ جبلہ کے پاس گئے اور کہا ہم قرابت کا حق ادا کرنے آئے ہیں، اسلام کی دعوت دیتے ہیں قبول کرلو اور ہمارے بھائی بن جاؤ تاکہ ہم ایک دوسرے کا فائدہ کر سکیں، اگر یہ منظور نہیں تو ہماری حفاظت میں آجاؤ اور رومیوں سے تعلقات قطع کرلو، اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو قرابت کا لحاظ کرتے ہوئے لڑائی سے الگ رہو"

جبلہ نے کہا: "یہ سب باتیں ایسی ہیں جنہیں میں منظور نہیں کر سکتا، میں تمہارا غرور توڑ دوں گا، تمہیں اسی میدان میں ہلاک کر دوں گا تمہاری بغاوت، سرکشی اور گستاخی کو اسی میدان میں دفن کر دوں گا، ایک ایک عیسائی کا انتقام لوں گا، توحید کو مٹا کر رکھدوں گا اپنے سردار سے جاکر کہدو کہ اب تلوار کی دھار ہی منصف ہوگی، اب نیزے کی نوک پر توحید اور تثلیث کو تولا جائیگا اور اپنے شہنشاہ کی آرزو پوری کی جائے گی۔"

صلح کے قاصد واپس آئے، سالار لشکر سے گفتگو کا ماحصل بیان کیا، جبلہ کے عزائم کی تفصیل بتائی۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے کچھ سوچا، پھر حضرت خالدؓ سے کہا: اباسلیمان! ہماری دعوت اکارت گئی۔ اب اتنے بڑے لشکر سے نپٹنے کی ترکیب بتاؤ؟

حضرت خالدؓ نے کہا: "امین الامتہ! ہماری جانیں خدا کی رضامندی کے لئے وقف ہیں، ہم نہ کبھی دشمن کی کثرت سے ڈرے ہیں نہ ڈریں گے، اسوقت ہمارے سامنے ساٹھ ہزار عرب ہیں جو ہمارے برابر کے بہادر اور شجاع ہیں ان کی تعداد ہم سے دوگنی ہے۔ اگر ہم سارے لشکر سے حملہ کر دیں تو لڑائی کا نتیجہ خیر نہیں ہوگی، بہتر یہ ہے کہ ہم میں سے چند بہادر نکلیں اور ان ساٹھ ہزار کا مقابلہ کریں، تاکہ ہماری دہشت ان کے دل میں بیٹھ جائے۔ اگر ہم اس مقصد میں کامیاب ہو گئے تو ہمارا کام نسبتاً آسان ہو جائے گا۔"

ابو سفیانؓ نے کہا: میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا، ساٹھ ہزار عربوں کے مقابلہ میں چند مجاہد؟ یہ تو دانستہ ہلاکت ہے جس سے خدا نے بھی منع فرمایا ہے۔

حضرت خالدؓ نے جواب دیا چچاجان میرا مطلب یہ ہے کہ ہم تیس مجاہد میدان میں نکلیں اور دشمن پر اپنی برتری اور فوقیت کا سکہ بٹھا دیں، جب ہم اس میں کامیاب ہو جائیں تو پھر لڑائی کا ڈھنگ بدل دیا جائے گا اور ہماری قلت انہیں کثرت نظر

آنے لگے گی، وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ جب تیس مجاہد ساٹھ ہزار کا مقابلہ کر سکتے ہیں تو تیس ہزار مجاہد تو یقینی طور پر غالب ہو کر رہیں گے۔ ابوسفیانؓ نے کہا، بیشک تم شمشیرِ الٰہی ہو، مگر میں اتنی ترمیم کرتا ہوں کہ تیس کی بجائے ساٹھ مجاہد ہوں۔ تاکہ ہر مجاہد دو ہزار کا مقابلہ کرنے کی بجائے ایک ہزار دشمن سے لڑے۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا اور کہا کہ یہ کام تم ہی کرو، ساٹھ بہادر چُن لو اور بسم اللہ کرو۔

حضرت خالدؓ نے عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، عبداللہ بن عمرؓ، فضل بن عباسؓ، سہیل بن عمرؓ، ربیعہ بن عامرؓ، ضرار بن ازورؓ، ملافع بن عمیرہؓ، محمد بن حاتمؓ، قیس بن سعیدؓ، کعب بن مالکؓ، عبادہ بن صامتؓ، جابر بن عبداللہؓ، ابوایوب انصاریؓ، شرجیل بن حسنہؓ، صفوانؓ بن یزیدؓ بن خطابؓ، یزید بن ابوسفیانؓ، عاصم بن عمرؓ، رافع بن سہیلؓ وغیرہ بہادر منتخب کئے اور ان سے کہا:

”بہادرو! یہ مہم بہت سخت ہے، ہم ساٹھ آدمی ساٹھ ہزار کا مقابلہ کرنے جا رہے ہیں، ہمارے صبر و استقلال کا امتحان ہے، ہر ایک کو اپنا اپنا کام کرنا ہے کسی کی امداد کا خیال نہ رکھنا، اگر ممکن ہو تو اس میں کوتاہی بھی نہ کرنا۔ گھوڑا وہ پسند کرو جس کی قوت اور وفاداری پر اعتماد کیا جا سکے، تلوار وہ لو جو زرہ کو کاٹ سکے، نیزہ ایسا لو جو چار آئینہ توڑ کر دشمن کا سینہ چھید سکے۔ اگر کسی کو جان کا خوف ہو تو وہ بھی الگ ہو جائے شہادت کو اپنا مقصد اور حوضِ کوثر کو اپنی منزل سمجھو خدا اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی حاصل کرنیکا اس سے بہتر موقع میسّر نہ ہوگا۔ اب جاؤ اور اپنے اہل وعیال سے رخصت ہو آؤ

ضرارؓ اپنی بہن خولہؓ کے پاس گیا اور کہا بہادر بہن! ہم ساٹھ آدمی ساٹھ ہزار کے مقابلہ پر جا رہے ہیں اگر زندہ رہے تو آملوں گا ورنہ میرے لئے دعائے مغفرت ضرور پڑھنا“

بہن نے جواب دیا! ”بہادر بھائی، تمہیں خدا کو سونپا، جاؤ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے جنگ کرو اپنے بازو کا زور دکھاؤ، خدا کی خوشنودی حاصل کرو، اگر تم شہید ہو گئے تو میں دشمنوں سے تمہارا بدلہ لوں گی اور بہت جلد حوضِ کوثر پر تم سے آن ملوں گی“

زبیرؓ بن عوام اپنی بیوی حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ سے رخصت ہوئے تو انہوں نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن سے کہا کہ پیارے بھائی، خدا تمہیں فتح و ظفر عطا کرے اپنے پھوپھی کے بیٹے سے جدا نہ ہونا اور حملے میں ان کی مدد کرنا“

مجاہدین اپنے عزیزوں سے رخصت ہوئے، میدانِ کارزار کی طرف بڑھے اور ساٹھ ہزار دشمن کے سامنے اپنے سینے تان کر کھڑے ہو گئے، گھوڑوں کی باگیں ہاتھوں میں تھیں اور خالدؓ کے اشارے کے منتظر تھے، گھوڑے ہنہناتے، فرشِ زمین پر بار بار سُم مارتے اور میدان کی خاک اڑاتے تھے اور دشمنوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے، گویا مجاہدوں کے گھوڑے ان سے بھی آگے بڑھ کر جہاد کرنے کے لئے تیار تھے۔

ساٹھ گھڑ سوار دیکھ کر جبلہ سمجھا کہ شاید پیامِ صلح لائے ہیں، وہ اپنے لشکر سے نکل کر آگے آیا اور پکار کر بولا، کہو کیا پیغام لائے ہو؟ جو کہنا ہے جلدی کہو تاکہ وقت ضائع نہ ہو۔ حضرت خالدؓ نے کہا ہم پیغام دے چکے ہیں۔ اب کہنا

نیا پیغام نہیں، وہ منظور ہے تو بات کرو۔"

جبلہ نے کہا "مجھے تمہارے پیغام سے نفرت ہے، میں نہ بزدل ہوں نہ کمزور۔"

خالدؓ نے کہا: "آؤ نفرت نکال لو، ہمت دکھاؤ، اپنی بہادری کی داستان سناؤ، تم وہی ہو جو قنسرین زخمی ہو کر بھاگ گئے تھ

جبلہ نے کہا "وہ ایک اتفاقی بات تھی، اب اس کا بھی انتقام لیا جائے گا، اس میدان میں تمہارا گوشت چیل کوّے کھائیں گے۔"

خالدؓ نے جواب دیا: "ہم ساٹھ آدمی تمہارے ساٹھ ہزار ساتھیوں کو اس طرح رگیدیں گے کہ تم ذلیل ہو کر مق

مقابلے کے قابل نہ رہو گے۔"

جبلہ نے کہا: "ابھی ہماری تلواریں تمہارے خون سے سیراب ہوں گی، پھر تمہارے لشکر کی بوٹیاں اڑا دی جائیں گی۔"

خالدؓ نے جواباً کہا: "لاف زنی چھوڑو، شیخی کم بگھارو، اپنے جوانوں کو للکارو اور ہماری تلواروں کو آزماؤ۔"

جبلہ نے کہا: "اگر یہی ارادہ ہے تو میں ایک ایک آدمی بھیج کر وقت ضائع نہیں کروں گا، ابھی وقت ہے سمجھ جاؤ۔"

خالد نے جواب دیا: "انفرادی مقابلہ کیلئے کس نے التجا کی ہے، ہم خود تمہارا غرور بہت جلد توڑنا چاہتے ہیں۔"

جبلہ دانت پیستا غصے کی حالت میں جلتا واپس چلا گیا اور پہلی صف کو آگے بڑھایا۔ ہامان اور دوسرے رومی سردار ایک بلند ٹیلے پر متمکن ہو گئے تاکہ لڑائی کا نظارہ کر سکیں، جوں ہی پہلی صف مجاہدوں کی طرف بڑھی، مجاہدین نے باگیں اٹھالیں اور اس طرح حملہ کیا گویا شہباز ہیں جو چڑیوں کے جھنڈ میں آپڑے ہیں۔ دائیں، بائیں آگے پیچھے تلوار چلاتے بڑھتے گئے سا ہزار میں ساٹھ مجاہد ایسے گھسے کہ دشمنوں کے سوا ان کا کہیں پتہ نہ چلتا تھا، تلواریں چل رہی تھیں، گھوڑے دوڑ رہے تھے اد لشکر کے اندر ہی اندر کھلبلی مچ رہی تھی، مسلمان اپنے مجاہدین سے مایوس ہو گئے انہیں یقین ہو گیا کہ سب کے سب دشمن کی تیغ بے نیام کا لقمہ بن گئے۔ وہ متاسف و غمناک تھے، آنکھوں میں آنسوؤں کے دریا بند تھے کہ دفعتاً اللہ اکبر کا نعرہ لگا اور میدان جنگ گونج اٹھا اور ساٹھ کے ساٹھ مجاہدین لشکر کو ہلا کر سینکڑوں کو آب شمشیر پلا کر میدان میں آکھڑے ہوئے انہیں دیکھ کر اسلامی لشکر نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور دشت و جبل میں غلغلہ ڈال دیا۔

جبلہ نے اپنے لشکر کو پھر اکسایا اور حکم دیا کہ آگے ہی بڑھتے جاؤ، اگر ایک قتل ہو جائے تو دوسرا اس کی جگہ لے لے جو میدان سے ہٹے گا اسے قتل کر دیا جائیگا، افسوس ہے تم پر کہ تم سے صرف ساٹھ مسلمانوں پر غلبہ نہ پایا جا سکا۔

غسانی لشکر غیرت کے گھوڑوں پر سوار ہو کر پھر حملہ آور ہوا، مجاہدوں نے بھی دریائے لشکر میں غوطہ لگایا، تلواریں اور نیزے اپنا کام کرنے لگے، مجاہدوں نے لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے، سارے لشکر میں گھوڑے پھیرا دیئے۔ نعرے لگاتے دشمنوں کے سر اڑاتے دوبارہ میدان کی زینت بنے، دوست و دشمن نے آفرین کہی۔

جبلہ اپنے لشکر کی ناکامی دیکھ کر سخت گھبرایا، الٹی ہوئی صفیں پھر سے درست کیں اور اپنے لشکر کو سخت غیرت دلائی لشکر پھر سے حملہ آور ہوا۔ مجاہدین بھی ان میں مل گئے۔ میدان میں خون کے دریا بہہ گئے۔ غسانیوں نے تھکے ہوئے مجاہد

گھیرے میں لے لیا، انہیں چھوٹے چھوٹے گروہوں میں تقسیم کر دیا اور پورے زور سے حملہ آور ہو گئے۔ حضرت خالدؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ کے گھوڑے زخمی ہو گئے، وہ پیادہ ہو کر لڑنے لگے۔ مسلمان کا گھیرا تنگ کئے آتے تھے کہ فضل بن عباسؓ اور زبیر بن عوامؓ نے اپنا گھوڑا موڑا اور دشمن کو للکارا اور اپنے پیادہ ساتھیوں کی امداد کو پہنچ گئے، دشمنوں کو مار مار کر ہٹا دیا اور پیادہ مجاہدوں نے دشمنوں کے دو گھوڑے پکڑ لیے اور سوار ہو کر ٹوٹ پڑے۔

اب یہ حالت تھی کہ مجاہدین دو دو، چار چار کی ٹولیوں میں منقسم تھے اور دشمنوں کی بڑی تعداد کا مقابلہ کر رہے تھے، دشمنوں کے حملے شدید ہو رہے تھے اور مجاہدوں کا جوش بڑھ رہا تھا۔ اگرچہ دن بھر کی لڑائی سے چور چور تھے، پیاس سے لبوں پر دم آ رہا تھا مگر وہ اپنے آقا و مولا کی خوشنودی کے لئے تلوار چلا رہے تھے، نعرے لگاتے اور اپنے خون کو گرما رہے تھے۔

آفتاب اس منظر کو دیکھ کر حیران تھا، اسکا چہرہ فق ہو رہا تھا آنکھوں کی روشنی ختم ہو رہی تھی، وہ اپنی آنکھیں بند کر لینا چاہتا تھا، اس کا سفر بھی ختم ہونے کو تھا، منزل قریب تھی، اس نے جلد ہی جلدی یہ فاصلہ طے کیا اور اپنے محل میں جا گھسا، رات نے فوراً ہر طرف سیاہ پردے تان دیئے میدان جنگ پر ہر طرف تاریکی مسلط ہو گئی، ستارے اپنے چراغ جلا کر یہ خونی منظر دیکھنے لگے۔

لڑائی جاری تھی، اندھیرے نے دوست دشمن کی تمیز اڑا دی، غسانیوں کی تلواریں ایک دوسرے کو کاٹنے لگیں۔ جبلہ گھبرا گیا، اس نے فوراً طبل بازگشت بجایا، غسانیوں کی جان میں جان آئی، سر پہ پاؤں رکھے، گھوڑے دوڑاتے کیمپ کی طرف دوڑے اور دم بھر میں میدان جنگ میں خاموشی چھا گئی، مردے پڑے رہ گئے اور زندہ بھاگ گئے۔

منتشر مجاہدین اکٹھے ہوئے تو ان کی تعداد بیس تھی، یہ دیکھ کر حضرت خالدؓ کا خون خشک ہو گیا، وہ پریشان ہوئے اور کہنے لگے ہمارا مقصد تو پورا ہو گیا مگر نقصان نہایت پریشان کن ہے، کاش مجھے بھی شہادت نصیب ہو جاتی اور میں اس سانحہ کو نہ دیکھتا۔

ابو سفیانؓ نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ اصحاب رسولؐ زندہ ہیں مشعلیں لاؤ اور میدان کا جائزہ لو۔ اسی وقت مشعلیں لائی گئیں اور دس شہداء کی لاشیں ملیں، باقی کا کچھ پتہ نہ چلا۔ غسانیوں کی لاشوں کے انبار تھے گنی گئیں تو پانچ ہزار ہوئیں۔ اگرچہ یہ بڑا مسکّن تھا مگر حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت خالدؓ نہایت اندوہگیں تھے۔ ابو سفیانؓ نے کہا ہمارے مجاہد زندہ ہیں اور دشمن کے تعاقب میں چلے گئے ہیں، گھبرانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ حضرت خالدؓ نے کہا آپ آرام کریں، اس مصیبت کا باعث میں ہوں اور اب میں ہی ان کی تلاش میں جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ دن بھر کی لڑائی کا تھکا ہوا شیر اکیلا دشمن کے کیمپ کی طرف چل دیا، ابھی تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ گھوڑوں کی ٹاپ کان میں پڑی، وہیں قدم رک گئے ذرا سی دیر میں مجاہدین ان کے سامنے تھے۔ فضل بن عباسؓ اور عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ نے السلام علیکم سے اپنی آمد کی خبر دی۔ یہ مجاہد پچیس تھے ان سے پوچھا گیا کہ تم کہاں رہے؟ انہوں نے جواب دیا ہم دشمن کے تعاقب میں دور نکل گئے تھے غسانیوں کو بھاگتے اور ان کے بھاگنے کا تماشا دیکھتے رہے یہی بات قریب ہے کہ غسانی ایک دوسرے سے بڑھ کر نکلے کوئی جھنڈوں سے لڑ کر بھی اتنا نہیں بھاگ سکتا جتنے تیز وہ دوڑ رہے تھے یوں معلوم ہوتا تھا کہ موت کا سامنا ہے۔

باقی صفحہ ۳۰ پر

پندرھویں صدی کا پیغام

جناب سید صباح الدین عبدالرحمان، دارالمصنفین اعظم گڑھ

"چودھویں صدی ہجری ختم اور پندرھویں شروع ہو چکی ہے، ان چودہ سو برسوں میں اسلام تو اپنی تعلیمات کیساتھ اسی طرح رہا [illegible] مسلمانوں کی تاریخ اس مدت میں تابناک تو رہی، اندوہناک بھی بن رہی۔ جو پیچھے مڑ کر دیکھی جاسکتی ہے۔"

عہد رسالت خداترسی، ایمان پروری، زبان، دل اور عمل کی سچائی، عہد کی پابندی، عدل پروری، خاکساری، خودداری، اخوت کی جہانگیری اور محبت کی فراوانی سے جگمگا اٹھا تھا، جس کی تقلید سے آج بھی انسانیت سنواری جاسکتی ہے۔ اس زمانہ میں تمام مسلمان بدر و حنین اور دوسرے غزوات میں ایمان کی جس قوت و حرارت سے لڑے اس سے ان کو ہر طرح کی سربلندی حاصل ہوئی، مگر اسی عہد میں انھیں احد و حنین کی لڑائیوں سے انھیں یہ درس ملا کہ ان کی تھوڑی سی غلطیوں اور فروگذاشتوں سے ان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مشکلوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔

خلافت راشدہ کے زمانہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے جو مثالی حکومت قائم کی یا اس پورے عہد میں اتباع شریعت، نظام عدل، بیت المال کے صحیح استعمال، مجلس شوریٰ کی اہمیت رائے کی آزادی، انسانی حقوق کے احترام، عوام کی فلاح و بہبود اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی جو مثالیں پیش کی گئیں ان میں وہ ساری باتیں موجود ہیں جنکو بنیاد بنا کر اچھی سے اچھی حکومت قائم کی جاسکتی ہے۔ اس عہد کے صحابہ کرامؓ نے انسان دوستی، خدمت خلق، اطاعت گذاری، عبادت و ریاضت، خوف الٰہی اور محبت رسولؐ کے جو نمونے پیش کئے اس سے نہ صرف اسلامی بلکہ انسانی اخلاق کی تاریخ [illegible] سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

اس عہد میں ایران و شام و بیت المقدس و عراق و طرابلس و مصر و ایشیا و کوچک و قبرص و خراسان و طخارستان وغیرہ کی فتوحات کی تفصیل پڑھ کر ایمانی حرارت پیدا ہوتی ہے۔ حضرت اسامہؓ، حضرت عمروؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت [illegible]، حضرت عبداللہ بن عامرؓ، حضرت سعید بن العاصؓ جیسے فوجی قائدین نے مسلمانوں کو سپہ گری کا جو درس [illegible]

کی تاریخ بھی زرّیں بنی، مگر اس دور کی دکھ بھری کہانی یہ ہے کہ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ شہید ہوئے۔ جنگِ جمل
بھی ہوئی جس میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جیسے اکابر حضرات صحابہ اللہ کو پیارے ہوئے۔ جنگِ صفین باہمی
کے اختلافات کی لڑائی تھی جس میں ایک لاکھ آدمی جاں بحق ہوئے۔ عمرو بن العاصؓ کے فیصلے سے اختلافات کی بنیاد پڑی
تو بنو ہاشم اور بنو اُمیہ میں مستقل عناد پیدا ہو گیا، خارجیوں کا فرقہ وجود میں آیا، حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد خلافت کے
بجائے ملوکیت قائم ہوئی۔

بنو امیہ نے مسلمانوں کی حکومت کا دائرہ بہت وسیع کر دیا ان کی مملکت کے اندر حجاز، عراق، عمان، بحرین،
کرمان، سیستان، کابل، خراسان، سندھ، موصل، آذربائیجان، آرمینیا، دمشق، اُردن، حمص، مصر اور شمالی افریقہ
کے سارے علاقے رفتہ رفتہ آ گئے۔ اندلس، سسلی، سارڈینیا اور بحرِ روم کے جزیرے بھی شامل تھے۔ ان کی فوجیں
اندلس سے نکل کر پرتگال اور فرانس کے حدود میں داخل ہو گئی تھیں۔ یہ ایسے فوجی کارنامے ہیں جن پر بجا طور پر فخر کیا جا سکتا
ہے ان کے فرمانرواؤں میں سے ولید، سلیمان اور ہشام کی سطوت اور حشمت سے رومی اور عیسائی سلطنتیں سہمی لرزہ براندام
رہیں۔ مگر ان ہی کے عہد میں کربلا کا المناک واقعہ پیش آیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف لشکر کشی میں خانہ کعبہ پر سنگ
آتش بازی کی گئی۔ ان کی لاش تین دن تک سولی پر لٹکی رہی اور جب ولید بن عبدالملک کے زمانے کے فوجی قائد بن باہلی قتیبہ
مسلم، موسیٰ بن نصیر، طارق بن زیاد اور محمد بن قاسم نے اسلام کا جھنڈا ترکستان، بخارا، سمرقند، مغرب اقصیٰ، قرطبہ، طلیطلہ
طوانہ، عمرانہ، سرقوسہ، اور سندھ پر لہرایا تو یہ بھی المیہ ہے کہ اسی خاندان کے حکمران سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں یہ
مایہ ناز فوجی قائدین موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔

یہ کیسا دردناک پہلو ہے کہ اسلام ساری تفریق مٹانے آیا تھا، مگر بنو ہاشم، بنو امیہ کو بُرا سمجھنے لگے۔ شیعان علیؓ
خلفائے ثلاثہ اور ان کے بعد کے تمام مسلمان حکمرانوں کو غیظ و غضب کی نظر سے دیکھنے لگے۔ خارجیوں نے امیر معاویہؓ اور حضرت
علیؓ دونوں کے حامیوں کو گمراہ خیال کیا، عربی و عجمی، عدنانی اور قحطانی، یمنی اور مضری کے نسلی امتیازات اور باہمی تعصبات
بھی اچھی طرح اُبھر گئے، حسد، رقابت، عناد اور نفاق اسلام کی تعلیم کے منافی تھے۔ مگر ان رذائل کی بدولت ولید
اور یزید بن عبدالملک کا قتل بھی ہوا اور جب عباسیوں نے بنو امیہ کو مغلوب کیا تو ان کو چن چن کر قتل کیا اور ان کے باعث
ان کی قبریں کھدوا دیں۔

بنو عباس کی حکومت تقریباً پانچ سو برس رہی۔ ان کی سلطنت کے حدود بنو امیہ سے تو نہیں بڑھے مگر ان کے
فرمانرواؤں میں منصور کے زمانہ سے عباسی خلفاء روحانی پیشوا بھی تسلیم کئے جانے لگے۔ ہارون الرشید کے عہد کے تمدن

پندرھویں صدی کا پیغام

جناب سید صباح الدین عبدالرحمان : دارالمصنفین اعظم گڑھ

چودھویں صدی ہجری ختم اور پندرھویں شروع ہو چکی ہے، ان چودہ سو برسوں میں اسلام تو اپنی تعلیمات کے ساتھ اٹل رہا لیکن مسلمانوں کی تاریخ اس مدت میں تابناک تو رہی، اندوہناک بھی بنی رہی۔ جو پیچھے مڑ کر دیکھی جا سکتی ہے۔

عہد رسالت خدا ترسی، ایمان پروری، زبان، دل اور عمل کی سچائی، عہد کی پابندی، عدل پروری، خاکساری، خودداری، اخوت کی جہانگیری اور محبت کی فراوانی سے جگمگا اٹھا تھا، جن کی تقلید سے آج بھی انسانیت سنواری جا سکتی ہے۔ اس زمانہ میں تمام مسلمان بدر و حنین اور دوسرے غزوات میں ایمان کی جس قوت و حرارت سے لڑے اس سے ان کو ہر طرح کی سربلندی حاصل ہوئی، مگر اسی عہد میں انہیں اُحد و حنین کی لڑائیوں سے انہیں یہ درس ملا کہ ان کی تھوڑی سی غلطیوں اور فروگذاشتوں سے اُن کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مشکلوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔

خلافت راشدہ کے زمانہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے جو مثالی حکومت قائم کی یا اس پورے دور میں اتباع شریعت، نظام عدل، بیت المال کے صحیح استعمال، مجلس شوریٰ کی اہمیت رائے کی آزادی، انسانی حقوق کے احترام، عوام کی فلاح و بہبود اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی جو مثالیں پیش کی گئیں ان میں وہ ساری باتیں موجود ہیں جنکو بنیاد بنا کر اچھی سے اچھی حکومت قائم کی جا سکتی ہے۔ اس عہد کے صحابہ کرامؓ نے انسان دوستی، خدمت خلق، اطاعت گذاری، عبادت و ریاضت، خوف الٰہی اور محبت رسولؐ کے جو نمونے پیش کئے اس سے نہ صرف اسلامی بلکہ انسانی اخلاق کی تاریخ زریں حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

اس عہد میں ایران و شام و بیت المقدس و عراق و طرابلس و مصر و ایشیا د کوچک و قبرص و خراسان و طخارستان اور جرجان وغیرہ کی فتوحات کی تفصیل پڑھ کر ایمانی حرارت پیدا ہوتی ہے۔ حضرت اسامہؓ، حضرت عمروؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت عبداللہ بن عامرؓ، حضرت سعد بن العاصؓ جیسے فوجی قائدین سے مسلمانوں کو سپہ گری اور نبرد آزمائی

کی تاریخ بھی زریں ہے، مگر اس دور کی دکھ بھری کہانی یہ ہے کہ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ شہید ہوئے۔ جنگ جمل بھی ہوئی جس میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیر بن عوامؓ جیسے اکابر حضرات صحابہ اللہ کو پیارے ہوئے۔ جنگ صفین بھی انہی کے اختلافات کی لڑائی تھی جس میں ایک لاکھ آدمی جاں بحق ہوئے۔ عمرو بن العاصؓ کے فیصلے سے اختلافات کی بنیاد پڑی تو بنو ہاشم اور بنو امیہ میں مستقل عناد پیدا ہوگیا، خارجیوں کا فرقہ وجود میں آیا، حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد خلافت کے بجائے ملوکیت قائم ہوئی۔

بنو امیہ نے مسلمانوں کی حکومت کا دائرہ بہت وسیع کر دیا ان کی مملکت کے اندر حجاز، عراق، عمان، بحرین، کرمان، سیستان، کابل، خراسان، سندھ، موصل، آذربائیجان، آرمینیا، دمشق، اُردن، حمص، مصر اور شمالی افریقہ کے سارے علاقے رفتہ رفتہ آگئے۔ اندلس، سسلی، سارڈینیا اور بحر روم کے جزیرے بھی شامل تھے۔ ان کی فوجیں اندلس سے نکل کر پرتگال اور فرانس کے حدود میں داخل ہوگئی تھیں۔ یہ ایسے فوجی کارنامے ہیں جن پر بجا طور پر فخر کیا جا سکتا ہے ان کے فرمانرواؤں میں سے ولید، سلیمان اور ہشام کی سطوت اور حشمت سے رومی اور عیسائی سلطنتیں بھی لرزہ براندام رہیں۔ مگر انہی کے عہد میں کربلا کا المناک واقعہ پیش آیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف لشکر کشی میں خانہ کعبہ پر بھی آتش بازی کی گئی۔ ان کی لاش تین دن تک سولی پر لٹکی رہی اور جب ولید بن عبدالملک کے زمانے کے فوجی قائد بن میں قتیبہ بن مسلم، موسیٰ بن نصیر، طارق بن زیاد اور محمد بن قاسم نے اسلام کا جھنڈا ترکستان، بخارا، سمرقند، غرناطہ، قرطبہ، طلیطلہ، طوانہ، عمرانہ، سرقوسہ اور سندھ پر لہرایا تو یہ بھی المیہ ہے کہ اسی خاندان کے حکمران سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں چاروں مایہ ناز فوجی قائدین موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔

یہ کیسا دردناک پہلو ہے کہ اسلام ساری تفریق مٹانے آیا تھا، مگر بنو ہاشم بنو امیہ کو بُرا سمجھنے لگے۔ محبان علیؓ خلفائے ثلاثہ اور ان کے بعد کے تمام مسلمان حکمرانوں کو غیظ و غضب کی نظر سے دیکھنے لگے۔ خارجیوں نے امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ دونوں کے حامیوں کو گمراہ خیال کیا، عربی و عجمی، عدنانی اور قحطانی، یمنی اور مضری کے نسلی امتیازات اور باہمی تعصبات بھی ابھر ابھر کر اُبھر گئے، حسد، رقابت، عناد اور نفاق، اسلام کی تعلیم کے منافی تھے۔ مگر ان رذائل کی بدولت ولید ثانی اور یزید بن عبدالملک کا قتل بھی ہوا اور جب عباسیوں نے بنو امیہ کو مغلوب کیا تو ان کو چن چن کر قتل کیا اور ان کے اسلاف کی قبریں کھدوا دیں۔

بنو عباس کی حکومت تقریباً پانچ سو برس رہی۔ ان کی سلطنت کے حدود بنو امیہ سے تو نہیں بڑھے مگر ان کے فرمانرواؤں میں منصور کے زمانہ سے عباسی خلفاء روحانی پیشوا بھی تسلیم کئے جانے لگے۔ ہارون الرشید کے عہد کی تمدنی

شان و شوکت، علوم و فنون کی ترقی، سیاسی بیدار مغزی، انتظامی اور فوجی قوت میں دنیا کی شاید ہی کوئی حکومت اس کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ مامون الرشید کے عہد میں جو علمی ترقی ہوئی وہ بھی مسلمانوں کی تاریخ کا زرّیں باب ہے۔

اس کے ساتھ ان صدیوں میں مسلمانوں کے اختلاف کی تاریخ بھی دردناک رہی، علویوں، خارجیوں اور زندیقوں کو فرد کرنے میں جانی اور مالی نقصانات ہوتے رہے، باہمی نفاق کی وجہ سے ابوسلمہ، جعفر برمکی، فضل بن سہل، ابراہیم بن علی موسیٰ بن مصعب، نظام الملک طوسی، مامون الرشید کے بھائی امین اور خلیفہ متوکل علی اللہ کا قتل بھی ہوا، مختلف علاقوں کے مسلمان حاکم مسلمانوں ہی کے خلاف بغاوتیں بھی کرتے رہے۔

جن علاقوں کی بغاوتیں سرنہ ہو سکیں وہاں خودمختار حکومتیں قائم ہوتی گئیں۔ اندلس میں اموی خلافت قائم ہو گئی، مصر میں فاطمیوں کی حکومت بن گئی، شمالی افریقہ میں ادریسی، قیروان اور صقلیہ میں اغلبی، یمن میں محمد بن ابراہیم نے زیادی، خراسان میں طاہر بن حسین نے طاہری، دیلم اور طبرستان کے کوہستانی علاقہ میں علوی، سیستان میں صفاری، ماوراء النہر میں سامانی، دیلم کے علاقہ میں آل بویہ نے دیلمی، وسط ایشیاء میں سلجوقی اور موصل میں زنگی اور ایوبی حکومتیں علیحدہ علیحدہ قائم کر لیں۔

ان خاندانوں کے فرمانرواؤں میں کچھ ایسے بھی گزرے ہیں جن پر مسلمانوں کو فخر ہو سکتا ہے، اندلس کے عبدالرحمن اول اور ہشام بن عبدالرحمن نے قرطبہ کو سجا کر نادرۂ روزگار بنا دیا، وہاں کے عبدالرحمن ناصر کی فوج دنیا کی بہترین فوج سمجھی جاتی تھی، حکم ثانی کے زمانہ میں اندلس علم و فن کا قابلِ رشک مرکز بن گیا تھا۔ سلجوقیوں میں طغرل نے ایک عالم کو اپنے سامنے جھکا لیا تھا اس لئے سلطان العالم کہلاتا تھا، اسی خاندان کا ملک شاہ اپنی جہاں بانی کی بنا پر دنیا کے بہترین فرمانرواؤں میں شمار کیا جاتا تھا، زنگی خاندان میں نورالدین زنگی نے خلفائے راشدین کی یاد تازہ کر دی تھی۔ صلاح الدین ایوبی اپنی حکمرانی اور صلیبی لڑائیوں میں اپنی ہوشمندی اور پامردی کی وجہ سے آج بھی حکمرانوں کے لئے مشعل ہدایت ہے، اس نے بیت المقدس فتح کیا تو یورپ کے فرمانروا اپنی مشترکہ کوششوں کے باوجود اس کو اس سے واپس نہ لے سکے۔

نسلی قبائلی، علاقائی اور ذاتی مفاد پرستی میں جو چھوٹی بڑی حکومتیں قائم ہوئیں وہ سب رفتہ رفتہ ختم ہو گئیں۔ ان کے زوال کے اسباب جہاں سیاسی، اقتصادی، فوجی اور معاشرتی تھے وہاں بڑا سبب ان کی باہمی آویزش تھی ان میں اتفاق کی بجائے نفاق، اتحاد کی بجائے انتشار اور یگانگت کی بجائے منافرت رہی۔ یورپ کے عیسائی اندلس میں مسلمانوں کی حکومت کی بیخ کنی میں برابر لگے ہوئے تھے۔ ایسے موقعوں پر وہاں کے مسلمانوں کو متحد رہنا چاہیئے تھا مگر ان کو معرکے کا ہمیشہ سے برابر خطرہ رہا، پھر بربری مسلمانوں اور مملوک عربوں کے باہمی اختلافات نے جلتی پر تیل ڈالا اس طرح ساڑھے آٹھ سو برس

ے بعد مسلمان اس مملکت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوگئے جس سے عالم اسلام کے مسلمانوں کی عزت و ناموس پر اغیار کو نسنے کا موقعہ اس لئے ملا : ع عقابی شان سے جھپٹے تھے جو بے بال و پر نکلے۔

ان ریاستوں کی علیحدگی پسندی سے بنو عباس کی حکومت بھی کمزور ہوتی گئی، ہاشمیوں اور علویوں کے علاوہ عربوں یوں اور ترکوں، شیعوں اور سنیوں، حنفیوں اور حنبلیوں کی باہمی آویزشوں سے یہ اور بھی بے جان ہوگئی۔ اس سے فائدہ ٹھاکر تاتاریوں نے اس کو روند ڈالا تو مسلمانوں کی ایک ایسی حکومت کا خاتمہ ہوگیا جس کے پیچھے بڑی شاندار روایات ہیں۔

تاتاریوں نے سلجوقیوں کو بھی تہس نہس کیا مگر ان کی خاک سے ایشیا کوچک میں دولتِ عثمانیہ ابھری جو آگے چل کر یش امپائر کہلائی۔ ایک زمانہ تھا کہ اس کے قلمرو میں مشرق وسطیٰ کے علاوہ یورپ میں سرویہ، بلغاریہ، سلونیکا، البانیہ، بوسینا اور وسن، ہنگری، بلغراڈ اور کریمیا وغیرہ بھی تھے۔ سلطان محمد فاتح تو روم کو بھی فتح کرنا چاہتا تھا۔ سلطان سلیم اوّل کے بعد تو ماں کے سلاطین مسلمانوں کے خلیفہ بھی ہوگئے۔ سلطان سلیمان اعظم کے نام سے یورپ کی سلطنتیں بھی لرزتی تھیں۔ سلطان سلیم ثالث نے تو فرانس کے نپولین اعظم سے بھی ٹکر لی۔ سلطان عبدالحمید کے زمانہ میں عثمان پاشا نے روس سے ایسی بہادرانہ جنگ کی ، وہ شیر پلونا کے نام سے مشہور ہوئے۔

یورپ کے عیسائیوں کی نظروں میں دولت عثمانیہ بھی برابر کھٹکتی تھی، ترکوں کو محتاط بن کر اپنی یکجہتی کا ثبوت دینا چاہئے ما مگر ان میں بھی اندرونی طور پر بڑا اختلاف رہا، سلطان عثمان دوم اور سلطان سلیم ثالث قتل کئے گئے۔ سلطان مصطفیٰ، سلطان ابراہیم لطان مصطفیٰ دوم اور سلطان عبدالحمید ثانی معزول کئے گئے۔ سلطان مراد اور سلطان احمد سوئم کے وزیر اعظم بھی ہلاک کئے گئے بوں نے نومسلم عیسائیوں کی ایک فوج انکشاریہ کے نام سے تیار کی تھی، ان کی ریشہ دانیوں سے اندرونی طور پر بڑا انتشار رہا۔

ایران کے صفوی سلاطین نے شیعہ مذہب اختیار کرلیا تو وہ ترکوں کے معاند بن گئے وہاں نادر شاہ کے حملوں نے ان کو اور لزور کر دیا۔ مصر کی ماتحت ریاست ذوالقدریہ نے ان سے سرکشی اختیار کی۔ ان اختلافات سے یورپ کی عیسائی حکومتیں کیوں ، فائدہ اُٹھاتے ، سلطان عبدالحمید ثانی کے زمانہ میں انگریزوں نے قبرص پر قبضہ کرلیا، مصر کو بھی اپنی نگرانی میں لے لیا سوڈان پر ، برطانیہ کا غاصبانہ اقتدار ہوگیا، اٹلی نے طرابلس کو زیرنگیں کرلیا، پھر یورپ کے سامراجیوں نے بلقان کی جنگ چھیڑ کر ترکوں کے یورپی علاقوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور جب ترکوں نے پہلی جنگ عظیم میں جرمنوں کا ساتھ دیا تو ان کی شکست کے بعد بالآخر، عراق اور فلسطین کو انگریزوں نے لے لیا، شام فرانس کے قبضہ میں آگیا، ایشیاء کوچک یونان کو ملا قسطنطنیہ اور آبنائے سفورس سب کی مشترکہ ملکیت میں آگئے۔ سلطان عبدالمجید دوم کی خلافت ختم کردی گئی تو دولت عثمانیہ کا دور بھی تقریباً

ساڑھے چھ سو برس کے بعد ختم ہوگیا۔ ترکی میں جمہوری حکومت مصطفیٰ کمال کی صدارت میں قائم ہوئی مگر خلافت کی وجہ سے مسلمانوں کی جو مرکزیت تھی وہ جاتی رہی۔

اور جب مسلمانوں کی حکومتیں علیحدہ علیحدہ قائم ہو رہی تھیں تو چوتھی صدی ہجری میں افغانستان میں غزنویوں کی حکومت قائم ہوئی جو تقریباً ڈیڑھ سو برس رہی۔ سلطان محمود غزنوی کو دنیا کے عظیم فاتحوں اور حکمرانوں میں شمار کیا جاتا ہے، مگر غزنویوں کا خاتمہ غوریوں کے ہاتھوں ہوا۔ شہاب الدین غوری کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے ہندوستان میں مسلمانوں کی باضابطہ حکومت قائم ہوئی جو مختلف خاندانوں میں منتقل ہو کر ساڑھے چھ سو برس تک رہی۔ غلام سلاطین میں قطب الدین ایبک، شمس الدین التمش اور غیاث الدین، خلجیوں میں علاء الدین خلجی، تغلقیوں میں محمد بن تغلق اور فیروز شاہ تغلق، افغانوں میں شیر شاہ، مغلوں میں بابر، اکبر، جہانگیر، شاہ جہان اور اورنگ زیب کے کارناموں پر مسلمان فخر کر سکتے ہیں۔ انہوں نے اپنی حکومت کے زمانہ میں ہندوستان کو جنت نشان بنا دیا تھا۔

مگر یہاں بھی مسلمانوں کی حکومت میں افراتفری رہی، تیمور مسلمان تھا، مگر دہلی پر حملہ کر کے ایک مسلمان کی حکومت کو بے جان کر گیا، اُمراء برابر آپس میں جھگڑتے رہے، مغلوں کے آخری دور میں ہندوستانی اور غیر ہندوستانی، شیعہ، سنی امراء کے اختلافات سے حکومت کی بنیادیں ہل گئیں، پھر نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی پر کلنک کا یہ ٹیکہ ہمیشہ کے لئے لگ گیا کہ مسلمانوں کی ایک سلطنت پر حملہ آور ہو کر اس کو ختم کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔

چودھویں صدی ہجری میں نجد، حجاز، عسیر، یمن امارت نواحی تسعہ، بحرین، کویت، عراق بشمول فلسطین و شام اور مصر پر بظاہر عربوں کی حکومتیں رہیں، مگر ان پر یورپ کی سامراجی قوتیں چھائی رہیں، ان میں سیاسی بیداری پیدا ہوئی تو مصر، سوڈان عراق اور حجاز کو انگریزوں کی سامراجیت سے برأت ہوئی، الجزائر اور مراکش فرانسیسیوں کی غلامی سے آزاد ہوئے ہیں، تیونس اور لبنان کو بھی آزادی ملی مگر فرنگی میکاولیوں نے عراق اور اردن کو کاٹ دیا، یمن کے دو ٹکڑے کر دیئے، لبنان کو عیسائیوں اور عربوں کے لئے وجہ تنازعہ بنا دیا، فلسطین اور خصوصاً بیت المقدس پر اسرائیلیوں کا قبضہ کرا دیا۔

کچھ نئی ریاستیں بھی بنیں۔ بحرین، قطر اور ابوظہبی انگریزوں کے اثر سے آزاد ہوئیں تو عرب امارات کے نام سے اپنا وفاق بنایا۔ مسقط، عمان، زنجبار کی اب علیحدہ ریاستیں ہیں۔ افریقہ میں لیبیا، نائیجیریا اور مالی میں مسلمان حکومتیں ہیں۔

انڈونیشیا ولندیزیوں سے آزاد ہو کر اس وقت سب سے بڑی مسلم ریاست بنی، ملائیشیا بھی اب مسلم ریاست ہو گیا ہے۔ پاکستان ہندوستانی مسلمانوں کی بڑی قربانیوں سے معرض وجود میں آیا، مگر باہمی آویزش سے اس کے بھی

دو ٹکڑے ہو گئے، بنگلہ دیش اب ایک علیحدہ مسلم ریاست ہے۔

عربوں نے قومیت کے سہارے اپنے کو منظم کرنے کی کوشش کی مگر ٹرکش امپائر نے ان کو جتنا متحد کیا تھا اتنا وہ عرب قومیت کے نام پر متحد نہ ہو سکے۔ سعودی عرب کے شاہ فیصل مرحوم نے تمام مسلمانوں کو اسلام کی لڑی میں پرونے کی کوشش کی مگر وہ اپنے ایک عزیز کے ہاتھوں ہی لقمۂ اجل ہو گئے۔ اب سارے عرب حکمتِ فرنگی سے سیاسی کھلونے بن کر رہ گئے؛

ع جو سراپا ناز تھے ہیں مجبور نیاز

جلال الدین افغانی نے بھی پان اسلام ازم کی تحریک چلائی تھی، ڈاکٹر محمد اقبال کی تمنا تھی کہ نیل کے ساحل سے لیکر کاشغر کی خاک تک مسلمان ایک ہوں، مگر وہ اپنی آرزوؤں کے خواب کی تعبیر کیا دیکھتے کہ سمرقند، بخارا اور تاشقند جہاں سے اسلامی علوم و فنون کا سرچشمہ بہا تھا کمیونزم کے زیر اثر ہیں۔ عراق اور شام نے اسلامی تعلیمات کو چھوڑ کر اشتراکی خیالات کو اپنا یا ہے، افغان روس کی گود میں جا رہا ہے، سعودی عرب، پاکستان اور ایران سے اسلامی دستور کی آوازیں بلند ہوئیں مگر اب تک اس کے عملی پہلو وہاں کھل کر سامنے نہیں آئے۔

مسلمان اپنی نسبت ابراہیمی سے معمار جہاں بننے کے لئے آئے تھے، وہ رازِ کن فکان تھے آخری نبوت کے ارمغاں تھے، زمین الشیاء کے پاسبان بنائے گئے تھے، مگر وہ سوچیں کہ اب کیا ہیں؛ یہ صحیح کہ کسی زمانہ میں انھوں نے جہانداری جہانبانی اور جہاں بینی کی اعلیٰ مثالیں پیش کیں، مگر اب وہ اپنے عروج سے زیادہ اپنے زوال کے اسباب پر غور کریں!

وہ اسلامی اخلاق کے فضائل سے آراستہ رہے تو ابھر کر چھپٹے، پلٹے اور پلٹ کر جھپٹے بھی مگر دنیادی اخلاق کے رذائل میں مبتلا ہوئے تو گرے اور گرتے چلے گئے۔ اسلام کی تعلیم تھی کہ مسلمان اپنی یگانگت اور موانست میں سیسے کی دیوار بنے رہیں۔ کسی ایک مسلمان کے تلوے میں خار چبھے تو دوسرا مسلمان اس کی خلش اپنے سارے جسم میں محسوس کرے مگر ان کی تاریخ میں ان کی باہمی عداوت، افتراق پسندی اور نفاق پروری کی ایسی مثالیں ہیں کہ حالی نے آزردہ ہو کر کہا تھا کہ؛

ے کہ نااتفاقی نے کھویا ہے ہم کو اسی جزر و مد نے ڈبویا ہے ہم کو

اس کی وجہ یہ بتائی تھی کہ؛ ے نہیں جانتے کہ یہ جانے کدھر ہیں گئے بھول رستہ یا وہ راہ پر ہیں

پھر کہا؛ ے انہیں کل کی فکر آج کرنی سکھا دے ذرا ان کی آنکھوں سے پردہ اٹھا دے

حالی کے بعد اقبال نے یہ پیغام دیا؛ ع تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری

پندرھویں صدی ہجری کا آغاز بھی مسلمانوں کو یہی پیغام دے رہا ہے!!! (معارف)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے آمدنت باعث آبادی ما

بسلامت روی و باز آئی

فخر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ کی جامعہ رشیدیہ تشریف آوری

جامعہ رشیدیہ ساہیوال حضرت شیخ العرب والعجم استاذ و مرشد مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ کی ادعیہ صالحہ و قلبی توجہات عالیہ اور شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ شیخ التفسیر حضرت لاہو[ری] کے ایماء اور رائپوری حضرت کے ارشادات سے پاکستان میں معرض وجود میں آیا۔

جامعہ رشیدیہ کی نشاۃ ثانیہ کے بعد حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائپوری، علامہ سید سلیمان ندوی، حضرت قاری صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا علامہ شمس الحق افغانی مدظلہ، حضرت مولانا درخواستی مد[ظلہ] نیز حضرت مفتی محمد شفیع، حضرت سید بنوری اور حضرت مولانا مفتی محمود تشریف لاتے رہے ------ اور اکابر علما[ء] دیوبند نے جامعہ کی سرپرستی فرمائی جامعہ رشیدیہ پاکستان میں علمائے دیوبند کا مرکز اور دارالعلوم دیوبند کا تر[جمان] و خادم ادارہ ہے۔ ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہے ہیں۔ جامعہ رشیدیہ اور اسلامیان ساہیوال [کی] خوش نصیبی کہ ۲۴ جنوری ۱۹۸۱ء کریم ابن الکریم حضرت مرشد زادہ مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ صدر جمعیۃ علما[ء] جامعہ رشیدیہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا۔ علماء، طلباء، رضا کاران رشیدیہ، اسلامیان ساہیوا[ل] جی ٹی روڈ پر والہانہ استقبال کیا اور خوش آمدید کہا۔

حضرت مولانا سعید احمد رائے پوری فرزند اسعد حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب مدظلہ رائے پوری سرگودہا[ئی] میں ناظم مدیر الجامعہ نے حضرت مدنی کا خیر مقدم کرتے ہوئے اھلاً وسھلاً کہا۔ مخدوم زادہ کی خدمت میں خراج عقید[ت] کرتے ہوئے ہدیۂ تشکر و سپاس گزاری کے مختصر کلمات یوں کہے ------ کہ

وہ گھر میں آئیں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے در کو دیکھ رہے ہیں

حضرت سید اسعد مدنی مدظلہ نعرہ ہائے تکبیر ختم نبوۃ، اسلام زندہ باد، علمائے دیوبند، دارالعلوم، حضرت مولانا مدنی زندہ باد کے نعروں میں تشریف فرما ہوئے حضرت نے خطبہ مسنونہ کے بعد إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا پر خطبہ مدنیہ ارشاد فرمایا۔

حضرت مدنی نے، بزرگان رائے پور اور مدرسہ رشیدیہ قدیم رائپور کا حضرات علماء دیوبند حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق خاص ظاہر فرماتے ہوئے کارکنان ادارہ کو مبارکباد دی[تے]

مولانا اسعد مدنی نے فرمایا کہ جامعہ رشیدیہ کے ترجمان الرشید نے دارالعلوم دیوبند نمبر علمی شاہکار نمبر مدنی و اقبال نمبر ملی یادگار اور اب تاریخ دارالعلوم دیوبند شائع کر کے مادرِ ملت اور پوری اسلامی برادری سے خراجِ تحسین حاصل کرتے ہوئے مسلک حقہ کا حق ادا کیا ہے۔

ادارہ الرشید نے علماء دیوبند کی صحیح ترجمانی اور پوری نمائندگی کرتے ہوئے ایسا شاندار کارنامہ سرانجام دیا ہے جو آج تک ہم لوگوں کی طرف سے نہیں ہو سکا۔

میں پوری جماعت کی طرف سے ادارہ کو ہدیہ تبریک پیش کرتے ہوئے دعائے خیر و صلاح و فلاح کرتا ہوں اللہ تعالیٰ جامعہ رشیدیہ کی مساعی کو مقبول و منظور فرماویں۔ حضرت مدنی نے تقریر جاری رکھتے ہوئے اسلام کی صداقت و حقانیت پیش فرماتے ہوئے اسلام میں تعلیم کی اہمیت اور دینی تبلیغ کی ضرورت پر اظہار خیال فرمایا۔

آپ نے فرمایا کہ جامعہ رشیدیہ اور ایسے دینی مدارس اسلام کے مضبوط قلعے اور اسکی چھاؤنیاں ہیں دینی و عربی مدارس وہ کام کر رہے ہیں جو انبیاء علیہ السلام کا مشن تھا۔ خصوصاً حضور علیہ السلام کی بعثت کا مقصد یہی تھا کہ قرآن حکیم میں یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ میں صراحتہً ارشاد فرمایا گیا۔

حضور صلی اللہ کا مدینہ میں مدرسہ صفہ تھا اور حضرات صحابہ کرام تلامذۂ ارشد تھے۔ اور اہل صفہ طلباء علوم نبوت تھے۔ جہاں اسلامی تعلیمات و ذکر اللہ کے خزانے تقسیم ہوئے تھے۔ کما قال سیدنا الصدیق الاکبر رضی اللہ عنہ

آپ نے فرمایا اس میں شک نہیں کہ تزکیہ نفوس خانقاہی نظام اور اہل اللہ کی صحبت میں پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے اور کتاب و سنت کی تعلیمات کے مراکز اور کارخانے مدارس عربیہ اسلامیہ ہی ہیں اور یہ ایسی فیکٹریاں ہیں جہاں قلب و دماغ اسلام کے سانچے میں ڈھلتے ہیں۔ اور مسلمان بچوں کو صحیح معنوں میں مسلمان بنایا جاتا ہے۔۔

تقریر جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اس واسطے ہمارے اکابر علمائے دیوبند نے مدارس عربیہ اسلامیہ کی داغ بیل ڈالتے ہوئے تحریک دارالعلوم دیوبند سے یہ کام شروع فرمایا۔ دارالعلوم نہ صرف ایک مدرسہ ہے بلکہ ایک جامع تحریک ہے اور ولی اللہی تحریک کا مرکز ہے ضرورت ہے کہ ہم اسکی تنظیم میں منسلک ہو کر ملک و ملت کی خدمات سرانجام دیں۔

آخر میں آپ نے جامعہ رشیدیہ اور مسلمانانِ عالم کے لیے دعا فرمائی۔ خطاب کے بعد جامعہ رشیدیہ کلاں تشریف لے گئے اور جامعہ کا معائنہ فرماتے ہوئے دعائیہ کلمات اسعد سے ملتان، خانپور و دین پور تشریف لے گئے۔

برطانیہ میں مقیم مسلمانوں کی فرقہ وارانہ آویزش پر "فاران" لندن کا اداریہ

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مقیم لندن کے قلم سے

حرم رسوا ہوا پیر حرم کی کم نگاہی سے

ہندوستان و پاکستان کے لوگ یو۔کے میں آئے تو رفتہ رفتہ ان کے مطلب و مزاج اور ذوق و پسند کی چیزیں بھی ایک ایک کرکے یہاں آئیں اور مہیا ہوتی گئیں، کھانے کے وہ تمام مرچ مسالے جن کے وہ عادی تھے، وہ تمام سبزیاں تمام پھل اور تمام میٹھی و نمکین چیزیں۔ غرض شاید ہی وہ کوئی چیز ہوگی جو ہندوستان و پاکستان میں چلتی ہو اور یہاں نہ ملتی ہو۔ ایسی چیزیں اگر ہوں گی بھی تو نہ ہونے کی بنا پر اور حد یہ ہے کہ یہاں زیادہ دن سے رہنے والے بتلاتے ہیں کہ موسم تک اسی سمت میں بدلتا جا رہا ہے جس کے ہم لوگ اپنے ملکوں میں عادی تھے۔ پندرہ سال پہلے جس قدر برف جیسی سردی اور جیسا کہرا یہاں پڑتا تھا اب اس کا نصف بھی نہیں رہا۔ بہرحال یہ پردیس بہت کچھ اپنے دیس کے روپ میں آتا جا رہا ہے۔

جہاں تک ضرورت اور کام کی چیزوں کا سوال ہے وہاں تک یہ تبدیلی اللہ کی رحمت اور اس کی ربوبیت ـــــ مگر ضروری اور کارآمد چیزوں کے ساتھ ساتھ اگر بُری چیزیں بھی، جن کے ہم عادی و خوگر تھے، درآمد ہونے یا یہیں پیدا ہونے لگیں تو پھر یہ خوش ہونے کی نہیں فکرمند ہونے کی بات ہے، اور بدقسمتی سے یہ بات ہو رہی ہے۔

ہمارے سامنے یہاں ہندوستان و پاکستان سے آنیوالے تمام لوگوں کا نہیں، صرف مسلمانوں کا مسئلہ ہے۔ یہ یہاں آئے تو رفتہ رفتہ یہاں مساجد بھی قائم ہونے لگیں، دینی باتوں کا چرچا اور دینی ضرورتوں کی فکر بھی شروع ہوگئی۔ علماءِ کرام بھی وعظ و تذکیر کے لئے مدعو کئے جانے لگے۔ مساجد کی آبادی اور مدارس و مکاتب کے قیام کے لئے اُن کے مستقبل قیام کی صورت بھی پیدا ہونے لگی۔ تبلیغی جماعتوں نے الگ ہر طرف متحرک خانقاہوں کی شکل اختیار کر دی۔ یہ ایسی مُبارک بات تھی کہ کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ تثلیث کی زمین پر توحید کے چرچے ہوں، گرجوں کے ملک میں مسجدوں کی بنیاد پڑے اللہ و رسولؐ کی بات سُننے کے لئے لوگ وقت نکالیں، اور دنیا کے ہماہمی میں آخرت کی آواز پر بھی کان لگائیں۔ کیا ہی

رک! مگر ان اچھی اور قیمتی باتوں کے ساتھ ساتھ جو مذہبی مناقشے اور باہمی جدال و قتال ہماری مذہبی زندگی کا جزو
ے ٹکڑوں میں بٹے ہوئے ہیں اور جنہوں نے مفید اور مثبت دینی کام کرنے والوں کی زندگی دوبھر کر رکھی ہے۔ وہ مناقشے
ر مجادلے بالآخر یہاں بھی پہنچ کر رہے۔

اور ہماری بدقسمتی ہے کہ اب یہاں پر مناظرہ بازیاں بھی ہیں، مذہبی تفرقہ اندازیاں بھی ہیں تکفیر گوکوں کی تڑاخ پڑاخ
ی ہے اور مسجدوں سے ایک دوسرے کا اخراج بھی۔ مسجدیں نوحہ کناں ہیں کہ اول تو انہیں نماز کی بجائے فساد کا اکھاڑہ بنا کر
بے آبرو کیا جاتا ہے اور پھر ان کے دروازوں پر عدالت کا قفل چڑھتا ہے کہ تا انفصال مقدمہ اب یہاں کوئی ایک سجدہ بھی ادا
نہ گزار سکے گا۔ کوئی ہے جو ان مسجدوں کا مقدس مسجدوں کا یہ غمناک نوحہ سُن سکے؟ اور مسجدوں ہی کا نہیں، اسلام کا
دحہ سُن سکے؟ کہ کیسی بے دردی سے اس کے فرزند، اس کی محبت اور اس کے لئے جاں نثاری کے نام پر اس کا مضحکہ
نیروں میں اُڑوا رہے ہیں!!!

جمعۃ الوداع جیسے دن اور اس کے بعد پھر عید جیسے مبارک موقع پر، کہ جہاں جانے اور انجانے سب ایک
دوسرے سے گلے ملا کرتے ہیں اور جو اس مقدس مہینے کا اختتام ہے جس کے روزوں کی ریاضت خاص طور پر نفس کو قابو میں
لانے اور ایک دوسرے کا غم گسار بنانے ہی کے لئے فرض کی گئی ہے، ایسے دو مبارک اور مقدس دنوں میں شمالی انگلینڈ
کے مقام رادہرم میں اس "مذہبی" فساد انگیزی کے ہاتھوں مسلمانوں میں عین مسجد کے اندر جو خونریزی ہوئی ہے اس کی رپورٹ
دیتے ہوئے لندن کا موقر روزنامہ "گارڈین" لکھتا ہے کہ:

" دس مسلمان اور دو پولیس مین اس لڑائی میں زخمی ہوئے، اور اب یہ مسجد ہائی کورٹ کے فیصلے تک بند اور پولیس
کی نگرانی میں رہے گی۔"

پھر لکھتا ہے کہ:

چیپل واک (رادھرم) کی اس مسجد میں دس سال سے یہ مسلمان نہایت امن و سکون سے ایک ساتھ نماز پڑھتے آ رہے تھے،
ان میں تفرقہ جہاں سے شروع ہوا وہ ایک بریلوی گروہ کے عالم کی آمد تھی، جس نے نمازیوں کی ایک تعداد میں اپنے خاص عقائد
کے لئے ایسا جوش بھر دیا کہ انہوں نے اپنا ایک علیحدہ گروہ بنا لیا اور کوئی سو گز کے فاصلہ پر ایک علیحدہ جگہ نماز شروع کر دی۔"
اس کے بعد یہ بتاتے ہوئے کہ اس علیحدگی پسند گروہ نے اس نئی جگہ کی تنگی اور پاس پڑوس کے لوگوں کی شکایت کی وجہ
سے پرانی مسجد ہی میں درس کا ارادہ کیا اور جمعۃ الوداع کی رات کو جبکہ نماز ہو رہی تھی وہ آیا اور جھگڑا شروع ہوا، یہ قصہ بتاتے
ہوئے اُس نے جو چٹکی لی ہے تو بس ایسی کہ دل رونے کو آجائے: ع۔ حرم رسوا ہوا پیر حرم کی کم نگاہی سے۔

لکھتا ہے:

"لڑائی کا آغاز گزشتہ جمعہ کی رات کو رمضان کے دوران میں ہوئی، جبکہ مذہبی جذبہ کی حرارت بہت ہی اونچائی پر جا رہی تھی

تنقیدات

جناب فضل محمد قدیر ظفر ندوی

شعراء کو کبھی مُفتی نہیں مانا گیا
نہ
کسی شاعر کے کلام کو دین کی سند

ایک صبح کو میرے گھر انا نیم ارلیہ شاہ جعفر پھلواروی "عرشی، پروفیسر انوار الحسن مرحوم، راقم کی صحبت میں شاہ جعفر پھلواروی بولے جکل لوگوں نے اقبال کو مذہب بنالیا ہے، ابھی پچھلے دنوں "نوائے وقت" میں اجتہاد پر گرما گرم بحث چل نکلی، ایک صاحب تحریر ، اپنے موقف کے حق میں اقبال کے اشعار سے سند پیش کی، جواب میں دوسرے صاحب تحریر نے چوٹ کی کہ اقبال نے خود کو فتی نہیں مانا ہے!

ہمارے شہر میں مقال خوش الحان واعظ تو محافلِ میلاد میں حکایاتِ رومی سُناتے ہیں، حرفِ آغاز کسی آیت سے بامعنیٰ، مضمون آیت سے صرفِ نظر، اور مثنوی سُنا سُنا کر کمال لحن داد دہی کی نمائش۔ شاعر کا دماغ ترنگ میں آتا ہے تب ہی شعر ، وارفتگی کی چاشنی آتی ہے: ؏ بنتی نہیں ہے ساغر و مینا کہے بغیر۔

عارف رومی آخر تھے تو شاعر، ترنگ میں آکر کہہ گئے:

> من ز قرآں مغز را برداشتم استخواں پیشِ سگاں انداختم

"میں نے قرآن سے مغز اُٹھا کر لے لیا، رہ گئیں ہڈیاں، وہ میں نے کتوں کے آگے ڈال دیں"

رومی کو عارف مان کر مقالہ نگار بھی اس شعر کو اپنے اندازِ فکر کی سپر بنانے لگے۔ یہ ہے عظمت کلامِ ربانی کی ناقدری رکلامِ رومی کی قدر دانی۔ العیاذ باللہ، العیاذ باللہ، پناہ بخدا۔ کیا قرآن مجید میں کوئی ناکارہ جُز و بھی ہے کہ انسان کے لئے بے مصرف رکتوں کا علوفہ؟ ایسا تسلیم کرنے سے ایمان ہی باقی نہیں رہتا!

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ۔ (سورۃ البقرہ)

ترجمہ: "اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اس (کتاب) پر جو آپ پر نازل کی گئی"

الحمد سے والناس تک ایک ایک حرف ایک ایک لفظ معجز ہی معجز ہے، قرآن پاک میں نہ قشر نہ حشو نہ زوائد۔
، یہ روشن خیال دانشوروں کا زمانہ ہے، اپنا اندازِ فکر خود ہی بنا لیتے ہیں اور اپنی اٹکلی سوچ کو سُپر بنا لیتے ہیں۔
اقبال کا یہ شعر بھی ملاحظہ ہو:

؎ رشتۂ دین چوں فقیہاں کس نہ رشت   کعبہ را کردند آخر خشت خشت

"دین کی لڑی فقیہوں جیسی کسی نے نہیں پروئی، آخر کعبہ کو اینٹ اینٹ کر ڈالا۔"

فقیہوں میں سب ہی آ گئے، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ وغیرہم سے لیکر مفتی کفایت اللہؒ مفتی محمد شفیعؒ ،میل احمد تھانوی تک۔ انھوں نے دین میں کونسا رخنہ ڈالا؟ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے کی غرض سے انھوں نے ابرہہ بنکر مکہ پر چڑھائی کی۔ مبسوط، ہدایہ، کنز نے دین کی لڑی کو کب توڑا۔ قرآن میں پورا دین ہے مگر قرآن نے دین کے ، بتائیے جزئیات بیان نہیں کیں۔

عہد نبوت کا مشہور واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فتح مکّہ کے بعد حضرت معاذ بن جبلؓ کو امارت یمن کے تحت فرمایا۔ پوچھا فیصلہ کس طرح کرو گے؟ حضرت معاذؓ نے کہا قرآن سے، فرمایا اگر اس میں نہ ملے؟ کہا سُنّت رسول اللہ للہ علیہ وسلم کے مطابق، فرمایا اگر اس میں بھی نہ ہو؟ کہا میں خود اجتہاد کروں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کا ہے کہ اس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابی کو اس چیز کی توفیق دی جسکو اس کا رسول پسند کرتا ہے۔ (ابن کثیر)

قرآن پاک میں زکوٰۃ کا بار بار حکم ہے لیکن صدقۂ فطر کا ذکر نہیں۔ لیکن ایک بار حضرت عبداللہ بن عباسؓ بصرہ کی مسجد میں رمضان میں خطبہ دے رہے تھے جس میں لوگوں کو صدقۂ فطر کی ترغیب دے رہے تھے اور بتا رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آزاد غلام مرد، عورت، چھوٹے بچے اور بڑے پر ایک صاع کھجور یا جوار، نصف صاع گندم صدقۂ فطر مقرر فرمایا ہے۔

(ابوداؤد)

قرآن مجید میں محرمات نکاح کے نام صراحتہً مذکور ہیں۔ اس لئے اصل مسئلہ میں تمام فقہا کا اتفاق رہا۔ لیکن جو جزئیات ل ذیل میں نہیں آتیں ان میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ مہر کی مقدار کے بارے میں نص خاموش ہے اس لئے مہر کی مقدار کے بارے خلاف پیدا ہو گیا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دس درہم سے کم مہر نہیں ہو سکتا، امام شافعیؒ، امام حنبلؒ کے نزدیک مہر ایک ہی ہو سکتا ہے۔ فقہاء کے ایسے اختلاف سے کعبہ اور اسلام کو کیا ضرر پہنچا؟ شام فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے معاذ بن جبلؓ کو رداؓ، عبادہ بن صامتؓ کو بھیجا کہ لوگوں کو قرآن کی تعلیم، دین اور فقہ کے مسائل سکھائیں۔ (دارمی)

؎ کعبہ کو خشت کرتے ہیں مرغوں کی طرح

آپس میں لڑنے والے دُنیا کے لالچی علماءِ سوء، فروعات پر مسلمانوں کو لڑانے والے، پیشہ ور، کم علم، طرار زبان اور واعظ۔
پیدائش سے پہلے کا ذکر ہے کہ عید ہمالیں کی جامع مسجد میں حنفی اہلحدیث والد مرحوم کے پیچھے جمعہ پڑھتے تھے، آمین پکارنے

پر کوئی تکرار نہ ہوتی۔ اتفاق سے والد مرحوم حیدرآباد دکن چلے گئے، چار سال تک وہیں قیام کیا، پیچھے رہ گیا میدان خالی۔ ضلع رہتک سے ایک خوش الحان پیرزادہ واعظ آ گئے، ان کا وعظ خوب جما۔ مہینہ بھر کی نئی فتووں اور محلہ وار وعظ کی فہرست تیار رہتی، اہلحدیث نے جماعت کے خلاف وہ معرکہ گرم کیا کہ جمعہ سے پہلے پولیس ہتھکڑیاں لیکر جامع مسجد میں آجاتی تھی۔ آخر تنگ آ کر اہلحدیث اپنی مسجد میں جمعہ پڑھنے لگے۔ اسی سب ڈویژن میں راجپوتوں کے ایک بڑے گاؤں میں دونوں طبقے ایک ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ ایک نیم مولوی پیش امام آ گئے، احناف کو ابھارا، مناظرہ کا دن مقرر ہوا۔ دہلی و جالندھر کے مجادل و مناظر بلائے گئے، دنگل گرم ہوا، تماشبین ہندو کہتے تھے کہ پہلوانوں کی کشتی کئی بار دیکھی مگر مولویوں کا دنگل آج دیکھا۔

افسوس یہ ہے کہ شعر اقبال میں جو دھاوا بولا گیا اس کی زد میں ابتداء سے آج تک کے تمام علماء و فقہاء آ گئے۔

مولانا عارف رومی، اقبال مفکرِ اسلام، مگر دونوں نہ مفتی نہ ان کا کلام دین کے مسئلہ کی سند۔ قرآن دین، حدیث فقہ دین کی شرح، وکیل کے دفتر میں تعزیرات ہند کی کتابوں کے ڈھیر پر اعتراض نہیں، اور آسمان سے زمین پر نازل ہوتے ہی اپنی حکومت قائم کرنیوالے اسلام کے انبار مسائل پر اعتراض کرتے ہیں !!! (فیض الاسلام)

بقیہ: ـــــــ جنگ یرموک

کیمپ میں پہنچے تو سپہ سالار دیکھ کر خوش ہوئے۔ حضرت خالدؓ نے بتایا کہ ہمارے پانچ مجاہدین گرفتار ہو چکے ہیں اور وہ ضرار بن ازورؓ، رافع بن عمیرہ، ربیعہ بن عامرؓ اور یزید بن ابی سفیان ہیں جو ہمارے مجاہدین کے سرتاج اور عربوں کی لاج ہیں۔ اب سب کو آرام کرنے کی اجازت دیں، خدا نے چاہا تو انہیں رہا کرانے کی کوئی تدبیر ہو جائے گی۔

سپہ سالار نے حضرت خالدؓ اور ان کے ساتھیوں کو آفرین کہی اور ان کے حق میں دعائے خیر کی اور حضرت خالدؓ کو تحسین آفرین سے نوازا۔ پھر کہا ابا سلیمان! تمہارا آج کا کارنامہ بے مثل ہے، لاجواب اور معجزہ ہے۔ خدا نے یہ توفیق تمہیں ہی عطا کی ہے آنیوالی نسلیں تم پر فخر کریں گی اور اقوام عالم تمہارے اس کارنامے کو ہمیشہ تعریفی کلمات سے نوازیں گی۔

حضرت خالدؓ نے کہا "میں کیا ہوں، یہ سب خدا کی نصرت ہے، وہی کارساز ہے وہ اپنے دین کا نگہبان ہے اور یہ سب اسی کا فضل ہے۔ میرے ساتھیوں نے وہ تلواریں چلائیں کہ دشمن کے چھکے چھڑا دیئے۔ وہ شجاعت دکھائی کہ دشمن کو بزدل بنا کر بھگا دیا، بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ دشمن کے دانت کھٹے کر دیئے، مجھے اپنے شہیدوں پر رشک ہے کہ وہ مجھ سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پہنچ گئے اور میں کوشش کے باوجود پیچھے رہ گیا۔ (المجاہد)

○ فضلاءِ دارالعلوم و جملہ ابناءِ دیوبند اپنے طبقات میں وحدت قائم رکھتے ہوئے پاکستان میں دارالعلوم کا یادگار اجلاس طلب کرنے کے لئے مستعد رہیں اور مسلک دارالعلوم کے لئے ایک ہی تنظیم یا مسلک ہوں اس عظیم مقصد کے لئے ایک خصوصی مؤتمر رشیدیہ منعقد ہوگا"

کینیا کی "زنانہ" ہاکی ٹیم کا دورۂ پاکستان

"نوائے وقت" نے لکھا

"بعض اطلاعات کے مطابق کینیا کی زنانہ ہاکی ٹیم دسمبر میں پاکستان کا دورہ کرنیوالی ہے۔ ظاہر ہے یہ ٹیم پاکستان کی زنانہ ہاکی ٹیم سے میچ بھی کھیلے گی۔ ہمیں معلوم نہیں اس دورے کی کیا تفصیل طے ہوئی ہیں، لیکن ہم قومی حلقوں کے اس احتجاج کے حوالے سے جو وہ وقتاً فوقتاً زنانہ ہاکی ٹیم کی تشکیل اور اس کے نمائشی مقابلوں کے بارے میں کرتے رہے ہیں، متعلقہ حکام کے یہ ضرور گوش گزار کرنا چاہیں گے کہ مجوزہ میچوں کا انعقاد زنانہ تعلیمی اداروں کے کھیل کے میدان میں ہونا چاہیئے۔ ان مقابلوں کو مرد کسی بھی حیثیت ——— تماشائی یا مہمان خصوصی ——— میں نہ دیکھیں۔ جہاں تک زنانہ ٹیم کی تربیت کا تعلق ہے اس کے لئے اب کوچ وغیرہ بھی خواتین ہی ہونی چاہئیں۔ اسی طرح ریفری بھی عورتوں ہی کو بنایا جائے۔

لڑکیاں ہاکی کا کھیل ضرور کھیلیں، لیکن پردہ کے بارے میں اسلامی احکامات و روایات کو بھی لازماً ملحوظ رکھا جائے"۔

خیر سے ساہیوال "مشنریوں کی طرح کھیں تو دکا مرکز ہے" اسلامیان ساہیوال یہاں ایسا نہیں ہونے دیں گے جیسا کہ سابقہ دور میں ہماری روایات ہیں"۔

بقیہ: ——— حرم رسوا ہوا پیر حرم کی کم نگاہی سے:

——— "آخری السانالہ پڑھیئے اور سوچیئے کہ ہم ان "مذہبی" فساد انگیزیوں سے مذہب کے بارے میں کیا تصور لوگوں کو دے رہے ہیں، اور اپنی جگ ہنسائی کے ساتھ ساتھ اسلام کی بھی کیسی رسوائی کا سامان غیروں کی نگاہ میں کئے دے رہے ہیں"

"اے اللہ رحم کر اور سمجھ دے"۔ (الفرقان)

از: حضرت علامہ سید سلیمان ندوی

رسولِ وحدت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ۰

دوست اور دشمن، موافق اور مخالف سب کو تسلیم ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے اور آخری خصوصیت توحید کی تعلیم ہے مگر اب تک اس توحید کے لفظ کو ایک خاص اصطلاح میں استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ آپ نے خدا تعالیٰ کی وحدت کی کامل تعلیم لوگوں کے سامنے پیش کی؛ لیکن آئیے آج ہم اس لفظ کو تحلیل کریں اور دیکھیں کہ آپ نے وحدت کی تعلیم کس رنگ سے پیش کی اور کس کس پہلو سے مکمل کی ہے!

وحدتِ الٰہی

دنیائے وجود کا سب سے بڑا طلسم وحدت و کثرت کی نیرنگی ہے۔ ہم کو بظاہر ہر طرف کثرت ہی کی نیرنگیاں نظر آتی ہیں، ظاہر بین نگاہیں کثرت کی انہی نیرنگیوں میں اُلجھ کر اور واحد کو کثیر سمجھ کر موحد سے مشرک بن جاتی ہیں۔ مگر حقیقت شناس نگاہیں کثرت کے رنگا رنگ پردوں کے پیچھے وحدت کا جلوہ دیکھ لیتی ہیں۔ دیکھنے والوں کو آسمان زمین، پہاڑ، جنگل، دریا نظر آتے ہیں۔ پھر آسمان میں آفتاب و ماہتاب، سبع سیارہ اور ستارے دکھائی دیتے ہیں، زمین میں انسان، حیوان، درخت، پہاڑوں میں چٹانیں اور غار، دریاؤں میں روانی، سیرابی اور موجیں نظر آتی ہیں، تو انسانوں نے ان سب کو کثرت کی جلوہ انگیزیاں سمجھ کر ان میں سے ہر ایک کو اپنا اپنا خدا اور دیوتا بنایا، کسی نے آفتاب کو پوجا، کسی نے ماہتاب کو، کسی نے دریا اور کسی نے پہاڑ کو لیکن موحد اعظم کی نگاہوں نے ان کثرتوں کے پیچھے وحدت کا جلوہ دیکھا اور پکار اٹھا کہ میں ان کے نہیں بلکہ ان سب کے ایک اور تنہا خالق کے آگے سر جھکاتا ہوں۔

اِنّی وجهت وجهی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین ۰

"میں نے اپنا منہ ان سب کی طرف سے پھیر کر اسکی طرف کیا جو ان آسمانوں اور زمین کا خالق ہے موحد بن کر اور میں دوسروں کو خدائے برساجھی نہیں مانتا"۔

دُنیا کے سارے علوم و فنون اور فلسفہ و سائنس کی تمام شاخوں کی پوری کوشش اور تحقیقیں صرف اسی ایک اصل کی فرع ہے کہ ان رنگا رنگ کثرتوں میں وحدت کی تلاش کی جائے اور اس ایک علت کا پتہ چلایا جائے

جس کی تمام کثرتیں اثر اور نتیجہ ہیں، جس علم وفن میں جس حد تک حقیقت کی منزل قریب ہوتی ہے وحدت کا چہرہ نمایاں سے نمایاں ہوتا جاتا ہے۔

عہد جاہلیت میں انسان ہر کام کا الگ الگ دیوتا مانتا تھا اور سمجھتا تھا کہ دنیا کے تمام افراد اور واقعات کا تعلق علیحدہ علیحدہ فاعلوں اور مؤثروں سے ہے اور وہ ان سب کو پوجتا تھا۔ بیماری کا الگ خدا تھا بلکہ ہر بیماری کا ایک ایک الگ دیوتا تھا جس کی پرستش ہوتی تھی، جنگ کا الگ، صلح کا الگ، قحط کا الگ، پیداوار کا الگ، علم کا الگ، خیر کا الگ، شر کا الگ دیوتا تھا لیکن اس سے پہلے کہ سائنس اس باطل کا انکار کرے دینِ حق نے اُس کے تار پود بکھیر دیئے اور تعلیم دی کہ وہ ایک ہی ہے جو آسمان سے زمین تک سب پر فرمانروا ہے اور ایک ہی کا حکم ہے جو عرش سے فرش تک جاری ہے۔ وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ (زخرف) "اور وہی ایک ہے جو آسمان میں اور وہی ایک ہے جو زمین میں فرمانروا ہے"۔

یہی وہ حقیقت ہے جو توحید کا مغز و جوہر ہے۔ صلح و جنگ، دولت و افلاس، رحمت و زحمت، کامیابی ناکامی، غرض دنیا کے ہر کام اور ہر شعبے کا تعلق صرف اُسی ایک ذات سے ہے جو وحدہٗ لاشریک ہے۔

اس تعلیم نے دیوتاؤں اور دیویوں، ستاروں، فرشتوں، پیغمبروں اور ولیوں، شہیدوں کی طوائف الملوکیوں کا خاتمہ کرکے آسمان و زمین میں صرف شہنشاہی قائم کی اور تمام عالم کو ایک نظام ربانی کے قبول کرنے کی دعوت دی۔ دنیا کے مختلف مذاہب کو لیکر جو انبیاءؑ مبعوث ہوئے وہ اسی سب سے بڑی حقیقت کو لیکر آئے مگر افسوس ہے کہ یہ حقیقت پوری طرح واشگاف ہو کر لوگوں کے سامنے نہیں آئی اور جن کے سامنے آئی وہ بھی اسکو بھلاتے رہے۔ آخر دنیا کو دنیا کے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار رہا کہ آپ کی بعثت اس حقیقت کو اس وضاحت تشریح و تفسیر اور تکمیل کیساتھ پیش کرے کہ دنیا اس کو قبول کر کے پھر نہ بھلا سکے۔

چنانچہ توحید یا وحدتِ الٰہی کی تعلیم جس تفصیل اور تشریح کے ساتھ آپ نے دی وہ آپ کی تعلیم کی امتیازی خصوصیت بن گئی ہے۔ آپ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لحاظ سے بھی واحد ہے اور اپنی صفات کاملہ کے لحاظ سے بھی واحد و منفرد ہے اور اپنی عبادتوں کے لحاظ سے بھی غیر شریک ہے۔ نہ کسی پیغمبر کو یہ قدرت ہے کہ وہ اس کی الوہیت میں ذرہ برابر شریک ہو سکے اور نہ کسی نمرود و فرعون یا کسریٰ و قیصر اور مہاراج کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس کی شہنشاہی اور ربوبیت میں شرکت کا دعویٰ کر کے أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ کی آواز بلند کر سکے۔

سب کا ایک خدا

لیکن توحید کی تکمیل ابھی ایک اور قدم کی محتاج تھی کہ وہ واحد منفرد جو ہمارا خدا ہے جس طرح وہ اپنی ذات وصفات وعبادت میں منفرد و واحد ہے اُسی طرح اپنے تعلق کے لحاظ سے بھی منفرد ہے۔ یعنی یہ کہ وہ ہی جو ہمارا ایک خدا ہے وہی ہر ذرّہ سے لیکر آفتاب تک ہر ایک کا واحد خالق و مالک ہے

ے، کوڑے، پھول، بوٹے، حیوان و انسان سب اسکی مخلوق اور محکوم ہیں۔ تمام کائنات اسی ایک کے قبضۂ قدرت میں
پست و بلند، نشیب و فراز اور فرش و عرش سب اسی ایک کے زیر فرمان ہیں۔

حدت کی غلط تعبیریں

بہت سی قوموں نے اسکو ایسا مانا کہ وہ محض انھیں کا ہے، دوسروں کا نہیں، انہوں نے
انسانوں کے اندر پستی و بلندی اور شرافت و رذالت کے درجے اور مرتبے قائم کر کے
ت پیدا کر لیا تھا کہ وہ صرف بلند و شریف انسانوں کے طبقہ کا واحد خدا ہے اور بقیہ پست و ذلیل مخلوقات اس قابل نہیں کہ وہ
سے تعلق کی نسبت رکھ سکیں، وہ گویا ایک خدا تھا مگر صرف ایک خاندان یا کسی ایک قوم یا کسی ایک مذہب کا خدا دوسروں کا
، شریف النسل آریہ اس کو صرف اپنے ہی لئے خاص سمجھتے تھے اور پھر وہ بھی ایرانی اور آریہ ورت کے رہنے والوں میں
م ہو کر اس طرح دو ہو گئے تھے کہ ان میں سے ہر ایک کو بجائے خود یہی دعویٰ تھا کہ خدا تعالیٰ کی بندگی کے صرف وہی
ہیں، انتہا یہ ہے کہ اگر ایک (آریہ) کے یہاں لفظ دیوتا الوہیت اور خدائی معنی دیتا ہے تو وہی لفظ دوسرے (ایرانی)
یہاں بصورت دیو جن و شیطان کے معنی بخشتا ہے اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہ ہندوستان کے دو حصوں شمالی اور جنوبی
یو اور وشنو جو دونوں خالق و قیوم کے معنوں میں ایک ہی ذات پاک پر دلالت کرتے ہیں، وہ ہندوؤں کے دو حصے
یتے ہیں، ایک شیو کو پوجنے والے اور دوسرے وشنو کے ماننے والے۔

پاک نژادان ایران کا اہورمزدان کا خدا تھا مگر ہند و آریوں میں وہ سورج سے زیادہ نہیں، ہند و آریوں میں سے برہمنوں
اپنا وہ خدا مانا جو صرف انہی کا خدا تھا جس نے اپنے منہ سے ان کو پیدا کیا اور دوسری ہند و قوموں کو اپنے بازوؤں اور ٹانگوں سے
سامیوں کا خدا صرف انہیں کا تھا بلکہ بنی اسرائیل کے نزدیک وہ خاص ان کے خاندان سے تھا، خداوند میرا خاوند ابراہیم
خدا" (پیدائش ۲۴۔ ۲۷) "اے میرے باپ ابراہامؑ کے خدا اور میرے باپ اسحٰق کے خدا" (پیدائش ۴۴: ۹)

"میں تیرے باپ کا خدا اور ابراہیمؑ کا خدا اور اسحٰقؑ کا خدا اور یعقوبؑ کا خدا ہوں" (خروج ۳: ۵)

"پھر خدا نے موسیٰ سے کہا کہ تو بنی اسرائیل سے یوں کہیئے کہ خداوند تیرے باپ کے خدا ابراہامؑ کے خدا اور اسحاقؑ
خدا اور یعقوبؑ کے خدا نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے" (خروج ۳۔ ۱۵)

"میرے باپ کا خدا ابراہامؑ کا معبود اسحاقؑ کا معبود اور انہیں کہہ کہ خداوند تمہارے باپ کا خدا ابراہامؑ اور اسحاقؑ
یعقوبؑ کا خدا مجھے یوں کہتا ہوا دکھائی دیا" (پیدائش ۳۔ ۱۵۔ ۱۶)

"خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ تو میرے لوگوں کو جانے دے" (خروج ۵۔ ۱)

"فرعون نے کہا کہ خداوند کون ہے کہ میں اس کی آواز سنوں کہ بنی اسرائیل کو جانے دوں، میں خداوند کو نہیں جانتا
انہوں نے کہا کہ عبرانیوں کے خدا نے ہم سے ملاقات کی" ۱۷

"اور اسے کہیو کہ خداوند عبرانیوں کے خدا نے میرے تئیں بھیجا ہے اور کہتا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے" ۱۶

"وہ میرے باپ کا خدا ہے۔" (خروج ۱۵ - ۲)

اس طرز ادا کی وجہ یہ ہے کہ اس قدیم زمانے میں خدائے برتر کی پرستش صرف حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہی میں منحصر تھی، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے بھی حضرت یعقوبؑ کے سوال پر ان کے بیٹوں کی زبان سے اسی قسم کے فقرے ادا کئے ہیں۔

نعبد الٰهك و اله آبائك ابراهيم و اسحاق۔ (البقرہ)

"ہم آپ کے خدا اور آپ کے باپ دادوں ابراہیمؑ اور اسحاقؑ کے خدا کی عبادت کریں گے۔"

لیکن بنی اسرائیل نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ یہ خدا خاص انہی کا خدا ہے جس میں دنیا کی کوئی قوم ان کی شریک نہیں اور وہ ان کا خاندانی خدا ہے۔

عیسائیوں کا خدا عیسائیوں کا باپ تھا، مگر اس باپ کے کنبہ میں اس کے سوا کوئی دوسرا شریک نہ تھا، ابراہیمؑ اور اسحاقؑ والا خدا یہاں آکر صرف کنواری ماں کے بیٹے کا باپ رہ گیا ہے۔ جیسا کہ انجیل میں بار بار آیا میرا باپ جو آسمان میں ہے

پیغمبر اسلامؑ کی تعلیم

یہ تھا اس خدائے احد کا تخیل جو قوموں اور خاندانوں اور شخصیتوں کا خدا بن کر محدود سمجھ لیا گیا تھا۔ اس کے بعد خاتم الانبیاء علیہ السلام کی بعثت ہوئی۔ آپ کی تعلیم نے جہاں وحدت ربانی کے دوسرے پہلوؤں کی تکمیل کی اس وحدت کے مفہوم کو بھی مکمل کیا اور بتایا کہ وہ ایک ہی خدا ہے جو برہما بھی ہے مہیش و شنو بھی اور شیو بھی۔ یعنی خالق بھی ہے قیوم بھی، زندہ کرنے والا بھی ہے اور مارنے والا بھی، الّذی یحیی ویمیت، وہی مارتا ہے اور جلاتا ہے۔ وہ کالے گورے آریائی اور سامی، ایرانی اور تورانی، ہندی اور عربی، اسرائیلی اور اسماعیلی، موسوی اور عیسوی ہندو اور مسلمان بلکہ زاہد شب زندہ دار اور فاسق و گنہگار سب کا یکساں خدا ہے اور سب اس کے دربار کے یکساں بندے ہیں۔ برہمن ہو کہ شودر، یہودی ہو کہ ختنین، مختون ہوں کہ نامختون، تثلیث پرست ہو کہ موحد، آقا ہو کہ غلام، اونچا ہو نیچا بندہ ہونے کی حیثیت سے سب اس کے سامنے ایک ہی درجہ رکھتے ہیں۔

مسلمانوں کو ان کے خدا کی طرف سے یہ حکم ہوتا ہے کہ تم دوسرے مذہب والوں سے کہدو:

"الٰهنا والٰهكم واحد و نحن له مسلمون": سب اسی کے بندے ہیں اور وہی ایک سب کا خالق و مالک اور محی و ممیت ہے۔ یہاں کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص خدا نہیں، قریش کا خدا نہیں، مسلمانوں کا خدا نہیں بلکہ کل دنیا کا ایک ہی خدا ہے، ایک ہی وحدت ربانی ہے جس میں کل بندگانِ الٰہی باہم یکساں شریک ہیں وہ سب اس کے بندے ہیں اور وہ ایک ان سب کا خدا ہے۔ قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت کی سب سے پہلی دعا اور اس دعا کا سب سے پہلا فقرہ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سب کو سکھلایا یہ ہے کہ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (فاتحہ)

"یعنی ساری خوبیاں اس ایک خدا کی ہیں، جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔"

ایک ہی ربوبیت ہے جس میں نہ صرف کل دنیا بلکہ کل دنیاؤں کی ساری مخلوقات یکساں شریک ہیں اور اس کا

سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے ان تمام تفرقوں کو مٹا دیا جو ایک خدا ماننے کے باوجود دنیا کی قوموں اور خاندانوں کو مختلف خداؤں میں تقسیم کر دیتے تھے اور بتا دیا کہ ہم سب کے سب ایک خدائے واحد کے بندے ہونے کی حیثیت سے باہم بھائی بھائی ہیں۔ سید ہوں کہ شیخ، پُرانے خاندانی مسلمان ہوں کہ نومسلم، برہمن ہوں کہ چمار، یورپین ہوں کہ ایشیائی سب ایک ہی آقا کے غلام اور باہم خواجہ تاش ہیں۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ ۝ (الآیہ)

"سارے انسانوں کا پروردگار سب انسانوں کا بادشاہ اور سب انسانوں کا خدا"

یہ وہ وحدتِ ربانی ہے جس کا جلوہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہم نے دیکھا اور وہ حقیقت ہے جس کو آپ کی تلقین سے ہم نے سمجھا، یعنی یہ کہ وہ ایک ہی شہنشاہ مطلق اور ربّ العباد ہے جس کی ربوبیت میں تمام مخلوقاتِ ارضی و سماوی، انسانی، حیوانی اور تمام دنیا کے خاندان اور نسلیں، قومیتیں اور ملّتیں برابر کی شریک ہیں۔ فرمایا:

اِنَّ هٰذِهٖ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝

"بیشک یہ تم سب کی امت ایک ہی اُمت ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں تو تم سب میرا ادب لحاظ کرو۔"

یہ وہ بلند تخیل ہے جس نے نہ صرف عرب و عجم، ترک و تاجیک، زنگ و فرنگ، ہند و سند، روم و تاتار، یورپ و ایشیا سب کو ایک ربوبیت واحدہ اور ایک اخوتِ عامہ میں مربوط و منسلک کر دیا بلکہ انسانوں اور حیوانوں کو بھی ایک ہی پروردگار کے سامنے سرنگوں کر کے انسانوں کو حیوانوں کی خدمت اور حیوانوں کو انسانوں کی خدمت کا سبق پڑھایا۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۝ (انعام)

"نہ تو کوئی زمین میں رینگنے والا جانور ہے اور نہ کوئی پرندہ ہے جو اپنے دو بازوؤں سے اڑتا ہے لیکن وہ تمہاری ہی طرح اُمت ہے۔"

وحدتِ رسالت

وحدتِ الٰہیہ کے بعد وحدتِ رسالت ہے اور اس سلسلہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے جو اصلاح ہوئی، جو غلط فہمیاں دُور ہوئیں اور جو بلند تخیل منصبِ نبوت کے متعلق پیش فرمایا اس کو ذرا تفصیل سے سُننے کی ضرورت ہے۔

تخصیص کا ابطال

سب سے بڑی غلطی جو دوسری قوموں سے اس مسئلہ کے متعلق سرزد ہوئی وہ یہ تھی کہ نبوت کو خاص خاص خاندانوں اور قوموں میں محدود اور مخصوص کر دیا گیا تھا آریہ ورت کے ہندو کہتے تھے کہ خدا کا بول صرف یہیں کو رشیوں اور منیوں نے سُنی اور وہ صرف وید کے اوراق میں محفوظ ہے، زردشت والے ایرانیوں کے علاوہ سب کو یزدان کے جلوہ نورانی سے محروم خیال کرتے تھے۔ بنو اسرائیل اپنے سوا کہیں اور کسی نبی یا رسول کی بعثت کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، عیسائی صرف اپنے خدا کو خدا کی فرزندی کا مستحق سمجھتے تھے لیکن اسلام نے اس تخصیص کو خدا کی شانِ رحمت اور عدل و انصاف کے منافی تصور کیا اور قرآن مجید نے متعدد آیتوں میں اس کی تردید کی۔ ایک یہودی حضرت موسیٰ کے

ب پیغمبروں کا انکار کر سکتا ہے۔ ایک عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا مان کر عیسائی رہ سکتا ہے، ایک ہندو تمام دنیا کو شودر کہہ
ی پکا ہندو ہو سکتا ہے، ایک زردشتی حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ و حضرت عیسیٰؑ کی تکذیب کر کے بھی دینداری کا دعویٰ
لتا ہے لیکن ایک مسلمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ جب تک تمام پیغمبروں کو تسلیم نہ کرے مسلمان نہیں ہو سکتا۔
خیالی کا دائرہ صرف یہیں تک محدود نہ تھا کہ نبوت کو ملک و قوم اور زبان کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا تھا بلکہ اس سے بڑھ کر
یہ مخصوص کرنے والے خود پیغمبروں میں تفریق کرتے تھے۔ یعنی ان میں سے بعض کو مانتے تھے اور بعض کو نہیں مانتے
۔ یہود حضرت عیسیٰؑ کو نعوذ باللہ کاذب سمجھتے تھے اور ان پر طرح طرح کی تہمتیں لگاتے تھے، قریش حضرت عیسیٰؑ کے
سے چلّانے لگتے تھے اذا قومك منه يصدون یہود و نصاریٰ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کو صرف بادشاہ
تے تھے اور پیغمبر نہیں مانتے تھے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب و عجم، شام و ہند، پورب و پچھم، اُتر دکھن
مییں کو دور کرتے ہوئے بتایا کہ ہر ایک ملک اور ہر قوم میں خدا کا نور دیکھا گیا اور اس کی آواز سنی گئی ہے اس لئے بلا
ق و امتیاز دنیا کے تمام پیغمبروں اور رسولوں کو یکساں خدا کا رسول صادق اور راست باز تسلیم کرنا چاہیئے۔

ہوم نبوّت کی وضاحت

ایک اور واقعیت جس کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ اسلام سے
پہلے نبوت و رسالت اور پیغمبری کی کوئی واضح اور غیر مشتبہ حقیقت دنیا
سامنے نہ تھی۔ یہود کے ہاں نبوت کے معنی صرف پیشین گوئی کے تھے اور نبی پیشین گو کو کہتے تھے جس کے متعلق
یہ یقین تھا کہ اس کی دعا یا بد دعا فوراً قبول ہو جاتی ہے چنانچہ تورات کے صحیفۂ تکوین میں اس مضمون کی آیتیں موجود
، اسی بناء پر حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کی نبوۃ در اصل
ب دھندلا سا خاکہ ان کے ہاں موجود ہے، بلکہ بعض پیغمبروں کے مقابلہ میں بعض کاہنوں کی پیغمبرانہ شان زیادہ نمایاں
م ہوتی ہے۔ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کی حیثیت صرف بادشاہ کی ہے۔ اور ان کے زمانہ کے پیشین گوئی
نے والے پیغمبر اور ہیں۔

یہود کی طرح نصاریٰ بھی خدا کے سب پیغمبروں کو یکساں تسلیم نہیں کرتے۔ انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کا یہ قول ہے
جھ سے پہلے جو آئے وہ چور اور ڈاکو تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائی کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ سے پہلے کے
بروں کی حیثیت کیا تھی۔ موجودہ انجیلوں میں نہ خدا کے رسولوں کی تعریف ہے نہ تذکرے ہیں، نہ ان کی سچائی اور
قت کی گواہی۔ حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ کا بلا شبہ تذکرہ کیا ہے لیکن پیغمبرانہ شان کے ساتھ نہیں۔

اس تخیل کا یہ اثر تھا کہ یہود و نصاریٰ دونوں اسرائیلی پیغمبروں کی طرف بے تامل نہایت رکیک اور سخیف باتیں
ب کرتے تھے۔ مثلاً حضرت لوطؑ پر بدکاری کا الزام لگاتے تھے، حضرت سلیمانؑ کو تعویز گنڈے اور عملیات کا موجد
جھتے تھے حالانکہ سحر اور جادو کو تورات میں شرک قرار دیا جا چکا ہے۔ عیسائی حضرت عیسیٰؑ کے علاوہ تمام پیغمبروں کو

گنہگار خیال کرتے تھے، بلکہ انجیل کے مختلف حوالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہود اور خود عیسائی بھی حضرت مریم اور حضرت
کی نسبت بعض ایسی باتیں کہتے جو اُن کی شان عظمت کے سراسر منافی ہیں۔ مثلاً یہود حضرت مریم پر تہمت رکھتے تھے
انجیل کے طرز سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ احکام عشرہ کے برخلاف اپنی ماں کی عزت نہیں کرتے تھے اور احکام
کے مطابق ماں باپ کا ادب نہ کرنا بدبختی تھی۔ اسی طرح موجودہ انجیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ نماز روزہ
پرواہ نہیں کرتے تھے۔

اِسلام میں نبوّت کا مفہوم

حضرات انبیاء کرام پر یہود و نصاریٰ کے الزامات صرف اس وجہ سے
تھے کہ ان کے مذہب میں نبوّت و رسالت کا کوئی بلند پہلو یا تخیل نہ
تھا انبیاء کی کوئی عظمت کی بلند سطح قائم تھی، لیکن اسلام نے دنیا کے تمام پیغمبروں کی عظمت و جلالت کی ایک نہ
بلند سطح قائم کی، اس کے نزدیک گناہوں سے پاکی اور عظمت تمام انبیاء و مرسلین کا مشترک وصف تھا۔ سب
پر ایمان لانا ضروری ہے، وہ سب خدا کے بھیجے ہوئے ایک خاص منصب پر سرفراز تھے، وہ سب دُنیا
غرض سے بھیجے گئے تھے کہ خدا کے احکام لوگوں کو سنائیں اور نیکی اور سچائی کا راستہ سب کو دکھائیں وہ سب رہنما
کرنے والے خدا کی طرف بلانے والے خوشخبری سنانے والے تعلیم دینے والے خدا کے احکام پہنچانے والے
روشنی خدا کے نیک اور مقبول بندے اور اپنے عہد کے سب سے بہتر انسان تھے۔

اسلام میں اگرچہ پیغمبروں کی تعداد متعین نہیں ہے تاہم قرآن پاک میں ان کی دو قسمیں ہم کو بتلائی گئی ہیں
وہ جن کے ناموں کی تصریح قرآن میں کی گئی ہے اور دوسرے وہ جن کے نام قرآن میں مذکور نہیں۔ پہلی قسم کی
قسمیں ہیں، بعض وہ انبیاء ہیں جن کو اہل عرب اور یہود و نصاریٰ سب جانتے تھے۔ مثلاً حضرت ابراہیم
بعض وہ ہیں جن سے اہل عرب واقف تھے لیکن یہود و نصاریٰ پیغمبر نہیں مانتے تھے لیکن دراصل وہ پیغمبر
مثلاً حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہم السلام۔ دوسری قسم میں ہر قوم و ملک کے نیک لوگ داخل ہو سکتے
کو ان کے ماننے والے پیغمبروں کا سا درجہ دیتے ہیں، جیسے یونان کے سقراط، ایران کے زردشت ہندو
سری رام چندر جی اور سری کرشن جی اور مہاتما گوتم بدھ اور چین کے حکیم کنفوشیوس وغیرہ، بشرطیکہ ان کی سچی تعلیم
اور کلیات دین کے سبق موجود ہوں لیکن چونکہ ہم یقینی طور پر ان ملکوں کے پیغمبروں کے ناموں کا تعین نہیں کر سکتے
ہمارے پاس تخصیص و تعین کا ذریعہ صرف وحی محمدی ہے اور وہ ان کے ناموں کی نسبت خاموش ہے اس۔
کو پہلی قسم کے انبیاء کو نام بنام تفصیلاً اور دوسری قسم کے پیغمبروں کو نام کی تخصیص کے بغیر ماننا ان
کو تسلیم کرنا اور اس تسلیم کو ذریعہ نجات سمجھنا لازم ہے۔

ان تمام انبیاء کا دین ایک ہے ان کی تعلیم ایک ہے وہ سب وصف عصمت میں شریک ہیں، و

ست بازبندے تھے ان سب کا ایک ہی مشن ہے اور ان سب کی زندگی کا ایک ہی طرز ہے اور ان سب کی نبوت کی
یہ ہے کہ وہ ایک ہی دین کی تعلیم دیتے ہیں۔

قرآن پاک کی متعدد آیات ہیں جن میں وحدت رسالت کے اس مفہوم کو ادا کیا گیا ہے اور مسلمانوں کو بتایا گیا ہے
نیا کے تمام انبیاء کی یکساں تعظیم کریں اور ان سب کو یکساں سمجھیں، اور یہ عقیدہ سکھایا گیا ہے کہ :

لا نفرق بین احد من رسله یعنی ہم خدا کے فرستادوں میں کوئی فرق نہ کریں۔

اور یہ تعلیم دی گئی ہے کہ دنیا کی تمام قوموں میں خدا کے رسول آئے اور اس کے احکام لوگوں کو سناتے رہے کوئی قوم نہیں
خدا کا فرستادہ نہ آیا ہو۔ اس کے لئے عرب و عجم، روم و شام، بنی اسرائیل و بنی اسمٰعیل، ایرانی اور تورانی کی کوئی
نہیں۔ ان تمام قوموں میں خدا نے اپنے رسول بھیجے اور ہم ان سب کو خدا کا یکساں رسول سمجھیں۔ اس امر کی اسی تعلیم کا
مسلمان یہودیوں کے پیغمبروں، عیسائیوں کے رسولوں اور احمائی ایران کے نبیوں اور ہندوستان و چین کے ربانی مبلغوں
راست بازیقین کرتے ہیں، خواہ وہ ان کے ناموں کو جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔

ت کتاب

اسی عنوان سے وحدت ادیان کا مسئلہ سامنے آجاتا ہے جو اسلام کی وسیع اور بلند ذہنیت
کو دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اسلام سے پیشتر دوسرے مذاہب نے اس جانب توجہ نہیں
یہود تورات کے سوا کچھ نہیں مانتے تھے، عیسائی تورات کے احکام کو نہیں مانتے تھے لیکن اس کی اخلاقی نصیحتوں کو قبول
تھے اور تورات کے علاوہ دنیا میں جو اور کتابیں مذہبی حیثیت سے مقدس مانی جاتی تھیں اور جن کا زمانہ انجیل سے
ان کی عزت اور عظمت نہیں کرتے تھے۔ پارسی اوستا کے علاوہ اور کسی کتاب کو خدا کا کلام تسلیم کرنے کے لئے تیار
اور ہندوستان کے برہمن ویدوں کے سوا خدائی الہام کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
رواداری اور بے تعصبی اور نقطۂ نظر کی وسعت اس مسئلہ میں ظاہر فرمائی وہ اسلام بلکہ دنیا کی مہتم بالشان تعلیمات میں
ہے۔ اس تعلیم سے متعلق ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ قرآن مجید کے علاوہ پیغمبروں کی کتابوں اور گذشتہ صحیفوں کو بھی
ھے اور ان کو منجانب اللہ تسلیم کرے بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ گویا قرآن پر ایمان لانے
ب یہ ہے کہ انبیاءِ قدیم کی کتابوں پر بھی ایمان لایا جائے اور کتابوں کی تصدیق نہ کرنے کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی
یق نہیں کی گئی ہے جس طرح قرآن پر ایمان نہ لانا اسلام میں کفر ہے اسی طرح اگلی آسمانی کتابوں کا نہ ماننا بھی اسلام
یک کفر ہے۔ یہ ادب یہ عزت یہ رواداری کیا اسلام کے باہر مل سکتی ہے؟

آسمانی کتابیں اگرچہ غیر محدود ہیں تاہم تخصیص کے ساتھ جن کتابوں کے نام قرآن مجید میں آئے ہیں وہ چار کتابیں ہیں؛
یا صحف موسیٰؑ، زبور، انجیل اور قرآن مجید۔ ان کے علاوہ ایک جگہ حضرت ابراہیمؑ کے صحیفوں کا ذکر آیا ہے لیکن
نام نہیں بتائے گئے۔ بعض آیتوں میں صرف اگلے صحیفوں یا اگلوں کی کتابوں کا حوالہ آیا ہے بعض آیتوں میں دوسری

قسم کے پیغمبروں کی طرح کتابوں کا بھی اجمالی ذکر آیا ہے یعنی ان کے ناموں کی تصریح نہیں کی گئی، لیکن بہر حال ہر جگہ ان کی صداقت کو یکساں تسلیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس لئے قرآن مجید پر ایمان لانے والے مسلمان مجبور ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر کی ان کتابوں کو جن کے نام قرآن نے بتائے ہیں تفصیلاً اور جن کے نام نہیں بتائے گئے ہیں ناموں کی تخصیص کے بغیر اجمالاً خدا کی کتابیں سمجھیں اس لئے ایسی کتابیں جن میں آسمانی تعلیمات کی خصوصیتیں پائی جاتی ہوں، گو ان کا ذکر قرآن مجید میں نہ موجود ہو، ان کو جھوٹا نہ کہیں۔ کیونکہ ان کا بھی خدا کی کتاب ہونا ممکن ہے۔ گو قطعیت کے ساتھ ان کا فیصلہ اس لئے نہیں ہو سکتا کہ قرآن نے ان کے نام نہیں بتائے ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا ہوگا کہ اسلام نے دنیا کے تمام مذاہبِ حقہ کو ایک ہی سمجھنا ہے۔ کیونکہ خدا جو ان تعلیمات کا سرچشمہ ہے۔ ایک ہی ہے تمام رسول اور پیغمبر جو اس سرچشمہ سے سیراب ہیں مقصد کے لحاظ سے متحد ہیں یعنی سب کا مبداء ایک ہے اور تعلیم ایک ہے۔ اس لئے تمام کتابیں جو ان رسولوں کے ذریعے سے دنیا کو دی گئیں اور جو احکام آکر بتائے گئے وہ بھی یقیناً ایک تھے اس حقیقت کو کہ تمام رسولوں کی تعلیم ایک تھی قرآن مجید میں متعدد جگہ صاف صاف بیان کیا گیا ہے اس بناء پر اسلام اسی ایک مذہب کا نام ہے جو حضرت آدمؑ سے لیکر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک باری باری پیغمبروں کے ذریعے سے آتا رہا اور انسانوں کو اس کی تعلیم دی جاتی رہی۔

وحدتِ دین

عام مذہب کا خیال ہے کہ جو مذاہب اسوقت پھیلے ہیں وہ ایک دوسرے سے الگ ہیں لیکن اسلام کا دعویٰ یہ ہے کہ تمام سچے مذاہب درحقیقت ایک ہی ہیں، ایک ہی پیغام ہے جو آدم علیہ السلام سے لیکر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک سنایا جاتا رہا مایقال لک الا ما قد قیل للرسل۔

اس مقام پر ایک نکتہ بیان کرنے کے قابل ہے، قرآن مجید نے ہمارے سامنے دو لفظ پیش کئے ہیں دین اور شریعۃ، جس کو منسک اور منہاج بھی کہتے ہیں۔ دین سے مراد مذہب کے وہ بنیادی امور جن پر تمام مذاہب حقہ کا اتفاق ہے۔ مثلاً خدا کی ہستی، اس کی توحید، اس کے صفاتِ کاملہ، انبیاء کی بعثت، خدا کی خالص عبادت، حقوق انسانی، اخلاق، اچھے اور برے اعمال کی باز پرس، جزاء و سزا یہ وہ اصل دین ہے جس میں تمام پیغمبروں کی تعلیم یکساں تھی اس کو لیکر اول سے آخر تک تمام انبیاء آئے اس میں زمان و مکان کے تغیّر کو کوئی دخل نہیں نہ قوم و ملک کے اختلاف سے اس میں کوئی اختلاف ہوا وہ ہر زمانہ اور ہر مقام میں یکساں رہا اور وہاں کے پیغمبروں نے اس یکساں تعلیم دی۔ اب اگر اس میں کسی جہت سے کوئی اختلاف ہوا تو یا تو طریقۂ تعبیر کی غلطی ہے یا باہر کی چیزیں اس میں مل گئی ہیں اور اس کی اصل صورت میں تغیّر پیدا ہو گیا ہے۔

دوسری چیز یعنی شرعہ منہاج اور منسک وہ جزئیاتِ احکام ہیں جو ہر قوم و مذہب کی زمانی و مکانی خصوصیات کے سبب سے بدلتے رہے ہیں، مثلاً عبادتِ الٰہی کے طریقوں میں ہر مذہب میں تھوڑا تھوڑا اختلاف ہے۔ عبادت

سمتیں الگ الگ ہیں، اعمال فاسد کے انسداد کی تدبیریں جُدا جُدا ہیں۔

اب قرآن کے نقطۂ نظر سے مذاہب کے اختلاف کا یہ مطلب ہے کہ اصل دین جو ازلی سچائی اور ابدی صداقت ہے ناقابل تبدیل اور ناقابل تغیر ہے۔ البتہ متفقہ اصول مقصد کے راستے اور طریقے مختلف پیغمبروں کے زمانوں میں اکثر اصلاح اور تبدیلی کے قابل پائے گئے تو بدلتے رہے ہیں، دنیا میں انبیاء کا وقتاً فوقتاً ظہور اسی ضرورت سے ہوا ہے کہ وہ اسی ازلی اور ابدی صداقت کو دنیا کے سامنے پیش کرتے رہیں اور دین کو اصل مرکز پر قائم رکھیں اور ساتھ ہی اپنی قوم و ملک اور زمانہ کے حالات کے مطابق خاص احکام اور جزئیات جو ان کے لئے مناسب ہوں ان کو بتائیں اور سکھائیں۔

انبیاء کا یکے بعد دیگرے ظہور اور اسکی وجہ

انبیاء کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک صاحب شریعت نبی کے بعد دوسرا صاحب شریعت نبی اسی وقت بھیجا گیا ہے جب پہلا صحیفۂ وحی کھو گیا ہے یا ذہنی تحریفات اور دستی تصرفات سے ایسا بدل گیا ہے کہ اصلیت مشتبہ ہو گئی ہے حضرت ابراہیمؑ کے صحیفے گم ہو جانے کے بعد حضرت موسیٰؑ پر توراۃ نازل ہوئی اور جب اسمیں اختلافات پیدا ہوئے تو زبور وغیرہ مختلف صحیفے آتے رہے جو عہد نامۂ قدیم میں موجود ہیں۔ پھر اس کی تکمیل کے لئے انجیل آئی اور جب اس میں بھی انسانی تصرفات کا دخل ہو گیا تو قرآن مجید اترا۔

آخری کتاب

مگر قرآن اس دعوے کے ساتھ اُترا ہے کہ اب اس کے بعد کسی دوسری آسمانی کتاب کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ ہمیشہ کے لئے تحریف و تبدیل سے محفوظ کر دی گئی ہے اور اس کی حفاظت کا وعدہ خود خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے اور یہ وہ وعدہ ہے جو دنیا کی کسی آسمانی کتاب کے لئے خدا تعالیٰ نے نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا وہ دنیا کی آخری کتاب اور اس کا رسول دنیا کا آخری پیغمبر ہے اب جو کچھ فیض دنیا کو پہنچے گا اسی کے ذریعے پہنچے گا۔

ہندوستان میں روشنی وحدۃ و بازگشت

چنانچہ صرف ایک ملک ہندوستان پر غور کیجئے کہ مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے کے بعد ہندوؤں میں بہت سے ایسے مصلح پیدا ہوئے جنہوں نے بُت پرستی کے خلاف توحید کا وعظ کہا اور لوگوں کو اس دین کی دعوت دی۔ چودھویں صدی عیسوی میں راما نند سنیاسی نے اصول توحید پر ایک نئی جماعت قائم کی جس کا خیال یہ تھا کہ دنیا کے تمام مذاہب کا سرچشمہ ایک ہے، پندرھویں صدی عیسوی میں کبیر نے ہندوؤں کی بُت پرستی اور دھرم شاستری کا خاکہ اڑایا اور مسلمانوں کو ان توہمات سے آگاہ کیا جن میں وہ مذہب کے نام سے گرفتار ہو گئے تھے اس طرح وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہبی تفریقات کو بالائے طاق رکھنا کبیر کا خاص مقصد معلوم ہوتا ہے جو اسلامی تعلیم کا خاص مقصد اولین تھا۔ سکھ مذہب کی ابتداء بھی اسلامی اثر کے تحت معلوم ہوتی ہے اور اب بھی جہاں کہیں سے

یہ آواز آرہی ہے وہ اسلام ہی کی صدائے بازگشت ہے۔

اسلام کی دعوتِ اتحاد کا صحیح مفہوم

ان تاریخی حقائق سے واضح ہوا ہوگا کہ اسلام نے وحدۃِ دین کا جو تخیل پیش کیا ہے وہ قدیم زمانہ سے لیکر آج تک مختلف شکلوں میں کس طرح پیدا ہوتا رہا ہے اور دنیا میں جو راز سب سے پہلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک پر کھولا گیا اسکی عملی شکلیں آپ کے بعد کہاں کہاں اور کیونکر ظاہر ہوئیں، اسی بناء پر قرآن مجید کا وہ دعویٰ کس قدر صحیح اور واقعیت سے لبریز ہے جو اہلِ کتاب کے سامنے کیا گیا ہے اور جس میں بتایا گیا ہے کہ ہمارے اور تمہارے راستوں میں جو اختلاف ہے اس کے ذمہ دار ہم اور تم خود ہیں ورنہ ہمارا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان جھگڑا نہیں ہے جھگڑا تو جب تھا جب اصول میں اختلاف ہوتا، اصول کو تو سب قبول کرتے ہیں البتہ فروع میں اختلاف ہے اور فروعی اختلافات کوئی اختلاف نہیں، یہود و نصاریٰ جنہوں نے اپنی فرقہ بندیوں سے دین میں تفرقہ پیدا کر دی تھی قرآن نے اُن کو اصل دین یعنی "دینِ قیم" کی طرف بُلایا جو حضرت ابراہیمؑ کا دین تھا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ تم سے وہ کہا گیا ہے جو تم سے پہلے پیغمبروں سے کہا گیا، یہ بھی بتایا کہ تمہارا دین وہی ہے جو حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ وغیرہ کا تھا۔ ساتھ ہی اس وحدتِ دین کا دوسرا رُخ بھی اسی طرح سامنے رکھا گیا کہ جزئیات کے اختلاف کو چنداں اہمیت نہیں دی گئی۔ چنانچہ قبلہ وغیرہ کے تعین کے سلسلہ میں اس حقیقت کو صاف طور سے واضح کیا گیا، حالانکہ یہی چیزیں تھیں جن کی بناء پر یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کو برسر بازار باطل کہا کرتے تھے۔ قرآن مجید نے اصل مقصد کے مقابلہ میں ان چیزوں کو نظر انداز کیا۔

عقیدۂ وحدۃ دین اور سیاسی اتحاد

وحدتِ دین کی تعلیم کا ایک عملی اثر بھی تھا جو اور مذاہب میں نظر نہیں آیا اور یہ ایسی چیز ہے جس کو مذہب کے حدود سے باہر حکومت کے قوانین اور احکام میں تلاش کرنا چاہیئے۔ یہودیوں کی نظر میں دنیا میں صرف دو ہی قومیں تھیں بنو اسرائیل اور غیر بنو اسرائیل اور انہی دو قسموں پر ان کے قانون کی بنیاد تھی۔ عیسائیوں میں مذہبی حیثیت سے مسیحی، یہودی اور بت پرست تین قومیں تسلیم کی جاتی تھیں، لیکن چونکہ ان کے مذہب میں قانون نہیں ہے اس لئے وہ اکثر امور میں رومن لا کے تحت رہے، لیکن رومن عیسائیوں میں بھی دو ہی قسمیں تھیں رومی اور غیر رومی، پارسیوں میں ایرانی اور غیر ایرانی کی تفریق تھی ہندو اونچ نیچ ذاتوں میں بٹے ہوئے تھے۔

لیکن اسلام نے وحدۃِ دین کے تخیل کی بناء پر قانون کی حیثیت سے دنیا کی قوموں کو چار حصوں میں تقسیم کیا اور ان کے علیحدہ علیحدہ حقوق قرار دیئے جن پر برابر چودہ صدیوں میں عمل ہوتا رہا مسلمان، اہلِ کتاب، شبہ اہلِ کتاب، کفار اور مشرکین۔ ان قوانین کی وجہ سے دنیا میں امن و امان اور مسلمانوں میں رواداری پیدا ہوئی اور وہ اس قابل ہوئے کہ اپنے مذہبی عقائد

پرسختی سے پابند رہنے کے باوجود دنیا میں دوسری قوموں کے ساتھ میل جول پیدا کریں، اور "تعاونِ عمل" کے لئے تیار ہوں۔
مجوسیوں، صابیوں یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کے ساتھ مل کر مختلف ملکوں میں ان ملکوں کے مناسب مختلف تمدنوں کی بنیاد رکھنے کی قوت پیدا کرنا اسی عقیدہ کا کرشمہ تھا۔

وحدت انسانیت

توحید کی تکمیل کے سلسلہ میں دو چیزیں ابتداء اور انتہا مانی جاتی ہیں۔ ابتداء خدا کی حقیقی عظمت سے ہوتی ہے، اور انتہا انسان کے اصل مرتبہ پر۔ مشرک، بُت پرست، ستارہ پرست، فطرت پرست، بتوں کو سجدہ کر کے، پتھروں کو پوج کے، درختوں کے آگے جھک کے جانوروں کو دیوتا جان کے، جنات اور خبیث روحوں کو پکار کے، آسمانی مخلوقات کو ارباب جان کے، انسان کو خدا کہہ کے حقیقت میں اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ انہوں نے انسان کے رُتبہ اور حیثیت کو نہیں پہچانا۔ دراصل انسان کو پتھروں سے، جانوروں سے درختوں سے، دریاؤں سے، پہاڑوں سے اور چاند تاروں سے کم تر جانتے ہیں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ چاند اور سورج کے لئے بنے ہیں۔ چاند، سورج، دریا، جانور، آگ غرض فطرت کے تمام مظاہر سورج سے لے کے زمین کے رینگنے والے کیڑوں تک سب ان کے آقا ہیں اور وہ ان کی غلامی کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ انسانی برادری بھی دیوتاؤں کی حکومت کی وجہ سے اونچی نیچی، بلند و پست، شریف و رذیل مختلف طبقوں اور ذاتوں میں منقسم ہو گئی تھی، کوئی پرمیشور کے منہ سے، کوئی ہاتھ سے اور کوئی پاؤں سے پیدا ہوا تھا، اس لئے سب کے درجے برابر نہ تھے، مساواتِ انسانی کا نام نہ تھا، مختلف جنسیں تھیں جن کا متحد ہونا ناممکن ہو گیا تھا، بابل، مصر، ہندوستان اور ایران کے جبار و متمرد شہنشاہ اپنے بنی نوع سے اس قدر اونچے ہو گئے تھے کہ ان کا عزل و نصب انسان کے ہاتھ میں نہ تھا بلکہ دیوتاؤں اور فرشتوں کے ہاتھ میں تھا، بلکہ وہ خود دیوتا اور ربِّ اعلیٰ کے مدعی تھے۔

مرتبۂ انسانیت کا اعلان

محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے آکر خدا کے سوا ہر شے کا خوف انسانوں کے دلوں سے نکالا، دنیا کے تمام پست و بلند اور نشیب و فراز کو برابر کیا، قوموں اور ذاتوں کا امتیاز اٹھایا، دولت، فقر، رنگ و روپ، نسل، قومیت کے نشانات مٹ گئے اور فخر و غرور اور جبر و ظلم کا بازار سرد پڑ گیا، سب انسان خدا کے بندے، سب اس کے سامنے برابر، سب باہم بھائی اور سب حقوق کے لحاظ سے یکساں قرار پائے۔
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بتایا کہ رات، دن، آفتاب، ماہتاب، ستارے، جانور، دریا، آگ اور درخت غرض کائنات کی ہر چیز انسان کے لئے بنی ہے اور وہ انسان کی خدمت گذاری میں معروف ہے۔ پھر انسان سے بڑھ کر اور کون نادان ہے جو اپنے خدمت گذاروں میں سے کسی کو اپنا معبود بنائے۔
انہوں نے اپنی وحی کے ذریعے سے دنیا کو یہ نکتہ سمجھایا کہ انسان اس عالم خلق میں تمام مخلوقات سے اشرف ہے

وہ خدا کی نیابت کا فرض انجام دینے آیا ہے، اس کا سر خلافتِ الٰہی کے تاج سے ممتاز ہے! کروڑوں مخلوقاتِ الٰہی میں خدا کی امانت کا حامل وہی ہوا، یہ منصب نہ فرشتوں کو ملا نہ آسمانوں کو، نہ زمینوں کو اور نہ پہاڑوں کو۔ قرآن مجید نے کہا انسان بزرگیوں سے سرفراز، عالم مخلوقات میں سب سے برتر اور انعام واکرام سے معزز ہے اس میں بحر و بر پر چھا جانے کی قوت ہے، اس کی ہستی معتدل قویٰ اور بہترین انداز سے مخلوق ہوئی ہے وہ کائنات میں خلیفۃ اللہ بن کر آیا ہے تو اب وہ کائنات میں خدا کے سوا کس کو سجدہ کرے۔؟

غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے انسان کی پیشانی کو ہر چوکھٹ سے اٹھا کر صرف ایک خدا کے آستانہ پر جھکا دیا اور بتا دیا کہ دُنیا کی ساری چیزیں انسان کے کام میں لگی ہوئی ہیں اور اسی کے لئے بنی ہیں۔ اب بتاؤ کہ وہ زمین کی اس کس ہستی کے سامنے اپنا سر جھکائے؟

دنیا نے انسانیت کی اس بلند سطح حقیقت شناسی کے اس اعلیٰ تخیل اور ادائے فرض کے اس قوی احساس تک جو ترقی کے قدم اٹھائے ہیں ان کا مبداء اور دیباچہ بھی قرآن مجید ہی کی تعلیمات تھیں جنہوں نے انسان کی حقیقت اس پر آشکارا کر کے اس کو خود شناس بنایا، ادائے فرض کی صورتیں سمجھائیں، افراد اور اقوام کی شیرازہ بندی کی اور ان کو ایک سطح پر لا کر یک رنگی کا لطف پیدا کیا، یہی چیز تھی جس سے بکری اونٹ چرانے والے انسان عالم کے گلہ بان بن گئے ریت کے ذرّوں سے کھیلنے والے بدوی سیم و زر اور تخت و تاج پر بازی لگانے لگے۔ صحراؤں کی پشت پر لیٹنے والی قومیں کیوان کی چھت پر بستریاں بچھانے لگیں اور چند نخلستانوں کے مالکوں کا نعرہ چار دانگِ عالم کو لمن الملک سمجھاتا تھا۔

ہر قسم کی تفریقات کا ابطال

انسانوں نے فخر و غرور سے اپنی ایک متحدہ انسانیت کو سینکڑوں حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا، بادشاہوں نے خدائی کا رتبہ پایا تھا اور ان کو سجدہ کیا جاتا تھا ان کے احکام خدائی فرامین کا درجہ رکھتے تھے۔ بابل کے نمرود اور مصر کے فرعون جو انا ربکم الاعلیٰ کا نعرہ لگاتے تھے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی آواز تھی جس نے ان کو ان کے تخت جبروت سے اتار کر عام انسانوں کے درجہ میں لا کر بٹھایا اور خدا کے سوا کسی کو شہنشاہ اور بادشاہ کہنا بھی ناپسندیدہ قرار دیا۔ (صحیح بخاری)

اسی طرح اہل مذاہب نے رسولوں، ولیوں اور شہیدوں کو خدائی اور الوہیت تک پہنچا دیا تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بندگی اور عبودیت ہی کے مختلف مدارج اور مراتب پر متعین کیا اور سب کو یکساں خدا کا بندہ اور [illegible] قرار دیا۔

[illegible]وں نے بھی الگ [illegible] الگ اپنے رتبے اور درجے قائم کر لئے تھے بنی اسرائیل اپنے کو خدا کا کنبہ کہتے تھے، ہندوؤں میں برہمن [illegible] کے منہ سے راجپوت، اس کے بازوؤں سے، شودر اس کی ٹانگوں سے پیدا ہوئے تھے۔ روم میں رومنس

خاص بادشاہی کے لئے تمام غیر رومی صرف غلامی اور خدمتگاری کے لئے تھے۔ اس طرح قوموں میں پستی و بلندی، عزّت و ذِلّت، پاکی و ناپاکی کی وہ امتیازی دیواریں قائم تھیں جنھوں نے ایک انسانیت کو سینکڑوں انسانیتوں میں منقسم کر دیا تھا وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی آواز تھی جس نے امتیاز و تفریق کی ان مدعی قوموں کو سب سے پہلے یہ خطاب کیا:

"بل انتم بشر ممن خلق" "تم بھی خدا کی دوسری مخلوقات میں سے انسان ہو"

اور تمام امتیازات کی دیواروں کو دفعتاً منہدم کر کے سب کو انسانیت کی ایک سطح پر لاکھڑا کر دیا۔ فرمایا:

یا ایہا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم (حجرات)

"اے انسانو! ہم نے تم کو خاندان اور قبیلے بنا کر اس لئے پیدا کیا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو بیشک خدا کے نزدیک تم میں سب سے معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے"

قومیت، خاندان اور پیدائشی بزرگی اور بڑائی کے تمام امتیازات کا آج خاتمہ ہوگیا اور ہندو برہمن، یہودی، لادیوں اور عیسائی پوپوں کو اسی طرح سطح وجود سے مٹا دیا گیا جس طرح دوسری طرف نمرودوں، قارونوں، فرعونوں اور ہامانوں کو مٹا دیا تھا ایک آدم سے تمام انسانی قوموں کا پیدا ہو کر پھیلنا اسلام سے پہلے یہودیوں اور عیسائیوں میں محض آغاز پیدائش (کسموگرافی) کے ایک نظریہ کی حیثیت رکھتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اخلاقی تعلیم کا سنگ بنیاد قرار دیکر اس پر انسانی وحدت کی وہ عظیم الشان عمارت کھڑی کی جو انشاء اللہ اب کبھی منہدم نہ ہوگی۔ مغرور عربوں کے سب سے بڑے مجمع میں کھڑے ہو کر آپ نے فرمایا:

"اللہ نے جاہلیت کا غرور اور باپوں پر فخر کا دعویٰ باطل کر دیا، تم سب ایک آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے تھا۔ عرب کو عجم پر، عجم کو عرب پر، گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر جو امتیاز کا دعویٰ تھا آج وہ باطل ہوگیا اور اعلان ہوا "عرب کو عجم پر فضیلت نہیں اور نہ عجم کو عرب پر، نہ گورے کو کالے پر فضیلت ہے اور نہ کالے کو گورے پر"

غرض یہ تعلیم تھی جس نے تمام انسانوں کو ایک کر دیا۔ عرب ہوں کہ عجم، فرنگ ہوں کہ زنگ، ہندو ہوں کہ حبشی تمام انسانی اخوت کی ایک ہی صف میں دوش بدوش کھڑے ہو گئے۔ توحید اور عموم رسالت کے اقرار پر کل دنیا کے انسان باہم بھائی بھائی قرار پائے، تقویٰ کے سوا ہر پیدائشی اور فرضی امتیاز باطل ہوگیا اور دنیا کو یہ ندا دی گئی:

"ایک دوسرے پر حسد نہ کرو، اور نہ ایک دوسرے پر کینہ رکھو اور اے خدا کے بندو آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ"

ان عظیم انسانی غلطیوں میں سے جن میں لوگ ہمیشہ سے مبتلا تھے ایک یہ تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ دین اور دنیا دو مختلف چیزیں ہیں، دونوں کا راستہ الگ الگ ہے جو دین کو اختیار کرے گا وہ دین سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور جو دنیا و زخارف دنیا پر نظر ڈالتا ہے اس کے ہاتھ سے دین کا دامن چھوٹ جاتا ہے۔ اس خیال نے اگرچہ ایران، ہند، چین اور دیگر ممالک

رقیہ میں عملی شکل اختیار کیا تھی اور راہبان صومعہ نشین و بادشاہان کشور کشا کے حدود زندگی اور دائرہ عمل میں ایسی حد
مل قائم کر دی تھی کہ دونوں کا اجتماع و تعاون تقریباً ناممکن ہو گیا تھا تاہم اس سلسلہ میں زیادہ قابل توجہ وہ قومیں تھیں
ب اپنے کو صحائف آسمانی کا پیرو اور سفیران الٰہی کا مخاطب اول سمجھتی تھیں ۔ ہندو بدھ کنفوشن اور زرتشتی نقطہ نظر سے
یادہ قابل غور وہ تخیل تھا جس میں انسانوں کی تقسیم کر دی گئی تھی کہ ان میں کچھ دین کے کارکن تھے اور کچھ دنیا کے۔ ہندوؤں
ں خلقتہ برہمن، دین کیلئے راجپوت بادشاہی کے لئے، ویش بیوپار کے لئے اور شودر محنت و مزدوری کے لئے تھے،
ور ان کی عمروں کی بھی تقسیمیں کر دی گئی تھیں کہ تیس برس تعلیم کے اور تیس برس کمانے کے اور تیس برس عبادت کے۔
ُدھوں میں بھکشو الگ کر دیئے گئے تھے جن کا کام صرف دھرم سیوا تھا اور دنیا دار الگ تھے جو دنیا کا کاروبار کرتے تھے
ور جن پر بھکشوؤں کے اخراجات کا بار تھا۔

یہودیوں میں لاوی دین کے کاہن تھے وہ دنیا کے کاموں سے الگ رکھے گئے تھے وہ خاندانی ترکہ و وراثت سے
بھی محروم تھے کہ یہ دنیا کی چیزیں تھیں اور باقی لوگ دنیا دار تھے۔ عیسائیوں نے اس امتیاز اور تفریق کی دیوار کو اور زیادہ بلند کر دیا
تھا، انہوں نے تو خدا اور قیصر اپنے دو حکمران فرض کئے تھے اور یہ تعلیم پائی تھی کہ جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو اور جو قیصر کا ہے
وہ قیصر کو دو۔

یہود و نصاریٰ نے اس غلط خیال کے مطابق اپنے کو ڈھالنے کی جس طرح کوشش کی اس کی عملی شکل دو متضاد طریقوں
سے ظاہر ہوئی یعنی یہود نے عقبیٰ کا حاصل دنیا کو سمجھا اور نصاریٰ نے عقبیٰ کو، یہود کی حکومت و سلطنت مال و دولت
اور تمام سودی کاروبار کا مبنیٰ صرف یہ خیال تھا کہ انسان کے اعمال و افعال کا مرجع دنیا ہے اس لئے انہوں نے دین کو
بالائے طاق رکھ کر اپنی توجہ تمامتر دنیاوی چیزوں تک محدود رکھی اور ہر نیکی کا معاوضہ اسی دنیا کی نعمت کو سمجھا اور اسی لئے
ان میں ایک بڑا فرقہ وہ تھا جو صرف دنیاوی انعامات پر اعتقاد رکھتا تھا اور آخرت کا قطعاً منکر تھا بخلاف اس کے
اگلے نصاریٰ نے زخارف دنیوی کو ہاتھ نہیں لگایا وہ ہر نعمت کو آسمانی بادشاہت میں تلاش کرتے رہے۔ اس نے
راہبانہ طریقہ زندگی اور زاہدانہ طرز معیشت اختیار کیا۔

اسلام کی تعلیم

لیکن پیغمبر اسلام علیہ السلام کے ذریعے سے جب اسلام آیا تو اس نے دنیا کی اس قدیم غلط فہمی
کو دور کیا اور بتایا کہ یہ دونوں چیزیں دو نہیں بلکہ ایک ہیں، دین دنیا ہے اور دنیا دین ہے۔
دین میں جب خواہشات نفسانی شامل ہوں تو دنیا ہو جاتا ہے اور دنیا میں احکام الٰہی کا تتبع پیش نظر ہو تو دین ہو جاتی ہے
اسی طرح جو چیز ان دونوں کے درمیان حد فاصل قائم کرتی ہے وہ انسان کا نقطۂ نظر ہے اگر وہ صحیح ہو تو پھر یہ حد بھی قائم
رہتی ہے اور دونوں چیزیں ایک ہو جاتی ہیں، وہی حکومت و سلطنت جس کو دنیا سمجھا جاتا ہے اگر وہ خدا کی مرضی کے لئے
کی جائے تو دین ہو جاتی ہے مال و دولت جمع کرنا دنیا ہے لیکن اگر احکام الٰہی کے تحت ہیں اس سے حق والوں کی خدمت

پیش نظر ہو تو دین ہو جاتا ہے۔ خودکشی دنیا ہے لیکن اگر احکامِ خداوندی کی تعمیل میں کوئی اپنی جان فدا کرے تو شہادت کی
پاکر دین ہو جاتی ہے۔

پیغمبر اسلام فداہ ابی و امی نے عملی شکل میں ہم کو یہ صورت بتلائی۔ آپ کی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ۔ قیام لیل، عبادت شب
تلاوت قرآن، تبلیغ احکام، غزوات و فتوحات، مہمات وسلطنت کی مصروفیت غرض آپ کی سیرت کا ایک ایک
دین بھی تھا اور دنیا بھی۔ عین اسی وقت جب آپ پر سکندر و قیصر ہونے کا دھوکا ہوتا تھا آپ سفیر الٰہی اور فرشتہ
نظر آتے تھے، آپ کے بعد آپ کے خلفاء اور صحابہؓ نے بھی اس نکتہ کو واضح کیا اور ان کے تمام زریں کارناموں کے
وہی روح نظر آئی جو دین اور دنیا کی ترکیب و امتزاج سے پیدا ہوئی تھی اور جو قرآن پاک کے منشاء کے عین مطابق تھی، قر
نے متعدد آیتوں میں انسانی اعمال کی جزاء کو دنیا اور دین دونوں سے متعلق فرمایا ہے یعنی یہ بتایا ہے کہ انسان کو نیکی یا بد
پھل دنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں بھی ملے گا۔ یہ نکتہ صحابہ کرامؓ کے بعد عرصہ تک مسلمانوں کے پیش نظر رہا اور جب
تک وہ اس کو سمجھتے رہے ان کے تمام اعمال و افعال میں تکمیلی رنگ نمایاں رہا انکی دنیا عین دین رہی اور دین عین دنیا۔

مسلمانوں کے زوال کا حقیقی سبب

لیکن جب سے اس نقطۂ نظر میں تبدیلی واقع ہوئی ان کے کام
ہو گئے اور ان میں اسلام کی بجائے یہودیت اور نصرانیت کا
جھلکنے لگا۔ ان میں اہل کتاب کی طرح دین اور دنیا دو مستقل اور جداگانہ چیزیں قرار پائیں، بعض علانیہ دنیا کو اختیار کر
دین سے غافل ہو گئے اور یہود کے دنیا کو زندہ کر دیا، بعض نے ترک دنیا کر کے گوشہ نشینی کو ترجیح دی اور عیسا
کی راہبانہ زندگی کی یاد تازہ کر دی، اس کی ایک محسوس اور بین مثال خلافت کے حدود میں ملتی ہے پہلے خیال کے
کے زمانہ میں خلیفہ دینی مقتدر اور دنیاوی سردار کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا تھا لیکن جب دوسرا خیال مستولی
ملوکیت اور پاپائیت کی صورت پیدا ہو گئی، یعنی مذہبی پیشوا الگ ہو گئے اور دنیاوی حکومت سلاطین کے قبضہ
اقتدار میں چلی گئی۔ اس تفریق نے مسلمانوں کی قومی قوت اور اجتماعی شیرازہ کو جسطرح توڑا اور منتشر کیا اس کے شو
تاریخی دفتر سے باہر ان کی موجودہ حالت کے اندر آج بھی ملتے ہیں، جن کو ماہرین فلسفہ و تاریخ کے علاوہ امراض
کا ہر نبض شناس آج بھی سمجھ سکتا ہے اور جبکہ ہم اپنی موجودہ ابتری اور پستی کا احساس کر کے اس مرکزی خیال کی طرف
کریں جو ہماری ترقی، سرسبزی اور تفوق کا ضامن تھا جس کے اندر اسلام کی روح جلوہ گر تھی اور جو یہودیت و عیسائ
بالکل علیحدہ تھا۔

آج مسلمان قومیں یا تو یہودی تخیل کا شکار ہیں یا عیسوی تخیل کا۔ محمدی دعوت آج اکثر ان کی نگاہوں سے پوشیدہ
آج منبر اور تخت دو سمجھے جاتے ہیں اور سپہ سالار اور امام نماز دو گروہ ٹھہرائے جاتے ہیں حالانکہ ہمارا منبر اور تخ
ایک تھا اور ہمارے سپہ سالار ہی ہماری نماز کے امام ہوتے تھے۔

اسلام کی طرف آؤ

مسلمانوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم کو ایک مدت سے فراموش کر دیا ہے انہوں نے بھی دین و دنیا کے حدود مقرر کر لئے ہیں اور خدا اور قیصر و شہنشاہوں کی رعایا بن گئے ہیں وہ سلطنت و حکومت اور تجارت و کسب زر اور تعلیم و ہنر کو دنیا کا کام اور صرف نماز روزہ اور تسبیح کو دین کا کام سمجھتے ہیں، حالانکہ حسن نیت ہو تو ہر دنیاوی جدوجہد، ہر سیاسی سعی و فکر، ہر تعلیمی عمل اور ہر تجارتی شغل، ہر صنعتی ترقی اور ہر ایجاد و اختراع سراسر دین ہے اور حسن نیت نہ ہو تو رات بھر کی نماز اور دن بھر کا کام کاج اکارت ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مذہب کو پیش کیا اس میں دین و دنیا کی تفریق اگر کسی معنی میں ہے تو کاموں کے امتیاز کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ دلوں کی نیتوں کے فرق کی وجہ سے ہے اور یہی وہ زمانہ ہے جس کی بناء پر اسلام جب دین بن کر آیا تو ساتھ ہی ساتھ سلطنت و حکومت کا پیام بھی لایا۔ بودھ مذہب میں دین الگ سے آیا اور دنیا الگ سے، بنی اسرائیل کو دین ملنے کے چار سو سال بعد سلطنت ملی، عیسائیت کو حضرت عیسیٰ کے صدیوں بعد تخت کا منہ دیکھنا نصیب ہوا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت مدینہ منورہ میں اپنے دین کا منبر نصب فرمایا اسی وقت دنیا کا تخت بھی بچھ گیا، اور اسی وقت عظیم الشان روحانی و تجارتی و سیاسی، علمی اور تعلیمی غرض تمدن و تہذیب کے تمام شعبے اپنی اپنی جگہ پر قائم ہو گئے۔ تیس برس کے اندر اندر خلیج فارس سے لیکر بحر ظلمات تک دین و اخلاق، علم و عمل، عدل و انصاف، اخوت و مساوات اور تہذیب و تمدن کی ایک نئی دنیا پیدا ہو گئی۔ اہل اسلام اہل کتاب کی مشترکہ و متحدہ قومیت نے انسانی اخوت کی زنجیر پیش کی جس کی مثال دنیا نے نہیں دیکھی تھی اور عرب عجم، ترک و چین، ہند و روم اور بربر و حبش نے مل کر کے علم اتحاد کے زیر سایہ ایسی اخوت عامہ کی بنیاد ڈال دی جس کے مناظر اس دور ترقی میں بھی نظر نہیں آ سکتے۔ اس تھوڑی سی مدت میں انقلاب کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ دین و دنیا کے کاموں کی تفریق کی دیوار اس نے ڈھا دی تھی، رہبانیت اور گوشہ نشینی کا کام اس نے عبادت نہیں رکھا بلکہ ملکوں کی فتوحات ہوں، مدرسوں کی تاسیس ہو، تجارت کے بری و بحری سفر ہوں، جنگی مشاغل ہوں یا امن و صلح کی کوششیں ہوں، حصول رزق اور کسب دولت کی صحیح مساعی ہوں یا غریبی، بیکسی اور مسافری کے امدادی کام ہوں، آل و اولاد اور زن و فرزند کی مخلصانہ خواہش یا خدا کے لئے تن تنہا جدوجہد اور جہاد ہو، ان میں سے ہر کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب میں دین تھا اس لئے ایک مسلمان کی زندگی کا ہر شعبہ ہر سعی و محنت اور جدوجہد جو خدا کی مرضی کے حصول کی خاطر ہو سراسر دین ہے۔ مسلمانوں کی گذشتہ تباہی و بربادی کا اصل سبب یہی ہوا کہ انہوں نے دین و دنیا کی اس وحدت کے نکتہ کو فراموش کر دیا بادشاہ دنیاوی کاروبار کا اور شیخ الاسلام دینی معاملات کا ذمہ دار بنا اور عیسائیوں کی طرح دین الگ اور دنیا الگ اور خدا الگ قرار دیا دینی کاموں کی فہرست الگ بنالی گئی اور دنیاوی کاموں کی فہرست الگ۔ کچھ لوگوں نے اپنے کو خانقاہوں مسجدوں اور حجروں میں بند کر کے اپنے کو دین کا خادم کہلایا اور کچھ لوگوں نے دنیا کے بازاروں اور جدوجہد کی صفوں میں پہنچ کر اپنے کو دنیا دار قرار دیا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل دین ہونیکے مدعی دنیا کے کاموں کے لائق نہ رہے اور کھلم کھلا اہل دنیا کہلانیوالے خدا کے خوف و خشیت کو بھلا کر اور اسکی رضا کی دولت کھو بیٹھے۔

اب امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض ہے کہ وہ دین و دنیا کی وحدت کے اس راز کو سمجھے اور اپنی نجات و فلاح کی تدبیر تلاش کرے۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا اہم تعلیمی و تنظیمی اجتماع

"مدرسہ قاسم العلوم ملتان بصدارت حضرۃ مولانا عبید اللہ صاحب جامعہ اشرفیہ منعقد ہوا۔ مجلس عاملہ علماء وفاق پاکستان نے حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لئے دعا مغفرت کرتے ہوئے متفقہ رائے سے مندرجہ ذیل انتخاب تجویز کیا۔"

صدر : وفاق المدارس العربیہ :۔ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب سابق استاذ دار العلوم ـــــ حال جامعہ علوم اسلامیہ کراچی۔

نائب صدر : " " " :۔ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب فاضل دیوبند و مہتمم جامعہ اشرفیہ ـــــ لاہور

ناظم اعلیٰ : " " " :۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب فاضل دیوبند و شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ ـــــ کراچی

ناظم : " " " :۔ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب مفتی قاسم العلوم ـــــ ملتان

خازن : " " " :۔ حضرت مولانا فیض احمد صاحب مہتمم قاسم العلوم ـــــ ملتان

ناظم وفاق المدارس العربیہ پاکستان

ماو علوم حضرت کی توجہ سامی
کیلئے
الرشید "دارالعلوم دیوبند" عدد خاص کے بعد
"تاریخ دارالعلوم دیوبند"
اور
مدنی و اقبال نمبر
ایک صدی کا علمی و عملی خلاصہ ! عظیم تاریخ، ملی دستاویزات
ہدیہ صرف تبلیغی مبلغ صرف ۲۵ روپے
جملہ احباب، دیوبندی نصاب کو اداروں، لائبریریوں، کالجوں، سکولوں
اور تعلیمیافتہ اصحاب تک پہنچانے میں ممد و معاون ہوں
مطبوعہ ناشر: ناظم جامعہ رشیدیہ ساہیوال